www.novelsclubb.com
غلافِ ہجر
امیر حمزہ
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

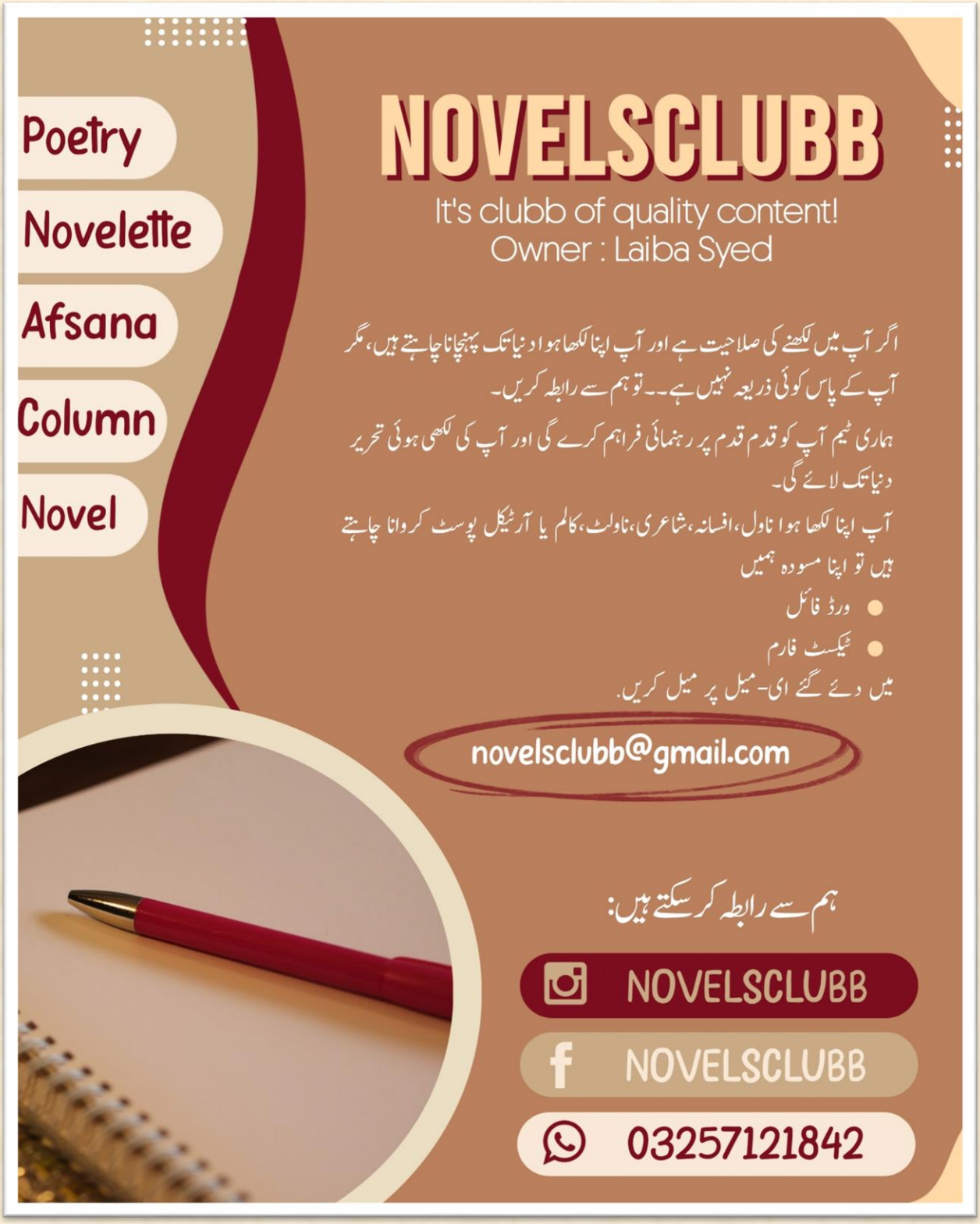
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

غلافِ ہجر

از قلم

امیر حمزہ راجپوت

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "غلافِ ہجر" کے تمام جملہ حق لکھاری "امیر حمزہ راجپوت" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

انتساب

ہم ہر کردار میں اچھے یا ہر کردار میں برے نہیں ہوتے۔اگر آج میں کسی گداگر کی جھولی بھر رہا ہوں، تو شاید مستقبل میں، میں اُسے گداگری کا طعنہ دے کر رخصت کر دوں۔اگر گزشتہ روز حق بات کہی ہو، تو شاید آج میں جھوٹ بولنے لگوں۔اسی طرح ہم نے زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی کی مجبوری کا فائدہ تو اُٹھایا ہو گا۔کسی کے برے وقت میں کبھی تو ہم نے اپنا ضمیر بیچا ہو گا۔ہم بس یہ نہیں سوچتے کہ کسی کی مجبوری خرید کر ہم اس پر کتنا ظلم کر رہے ہیں ۔شاید اس ظلم کے سبب اس مظلوم کی حیاتی کا سارا نور ہی چھن جائے۔یہ کہانی بھی کچھ یوں ہے۔جس میں ایک ضمیر فروش ایک ہستے بستے آنگن کو خاک کر دیتا ہے۔

میں اپنی ہمشیرا کا بہت شکر گزار ہوں جن کے ساتھ میں نے کئی بار یہ کہانی ڈسکس کی۔جنھوں نے اسے پروف ریڈ کیا۔اور ایک مخلص دوست کا بھی شکر گزار ہوں جس نے نہ صرف اس کہانی کو ٹائپ اور پروف ریڈ کیا، بلکہ میری گزشتہ ہر کہانی میں بہت مدد کی۔

میری آپ سے بس ایک ہی التجا ہے کہ کسی کے بُرے وقت کو اپنی بے حسی سے مزید بُرا مت کریں۔ ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہم کسی کی کہانی میں ولن کے کردار میں نہ نظر آئیں۔ جانے انجانے میں بھی کسی کی داستان میں ہم ظالم نہ گردانے جائیں۔ مگر ہر کردار میں اچھا ہونا ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔ ہم کسی نہ کسی کے مجرم ضرور ہوتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جو کل تک آشنا تھا۔ آج وہ اجنبی ہے۔ وقت سب بدل سکتا ہے۔ وقت نے ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔

میں ٹھیلے سے چوڑیاں خرید رہی تھی جب وہ میری نظروں میں آ ٹھہرا۔ میں چند لمحے دم بخود رہ گئی۔ میں یقین کرنے سے قاصر تھی کہ وہ سالوں بعد میرے اتنے قریب ہے۔ وہ کسی ٹھیلے

کے قریب بیٹھا اپنی پلیٹ پر نظریں جمائے چاول کھا رہا تھا۔ میں نے چوڑیاں واپس ٹھیلے پر رکھیں اور اس کی جانب دو قدم بڑھائے مگر پھر سنگ ہو گئی۔

آخر میں کس حق سے اس سے مل سکتی تھی۔ اب ہمارے درمیان کوئی ناطہ نہ تھا۔ وہ جو بھر سوں قبل میری دنیا تھا، آج وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جس کے بغیر میں نے کبھی ایک نوالا تک نہ کھایا تھا۔ اس طویل اور کٹھن عرصے میں اس کے بغیر نا جانے کتنے غم کھا چکی ہوں۔

میں نے سرد آہ خارج کی اور ایک بار پھر حالات سے مجبور ہو کر اپنی راہ کو چل دی۔ مجبوریاں انسان کو اچھا نہیں رہنے دیتیں۔ میں بھی آج اچھی نہیں رہ سکی۔

"سنو۔ تم بدل گئی ہو ناں؟" میں برقع میں لپٹی بھرے بازار سے سے گزر رہی تھی جب اس کی آواز نے میرے قدم ڈھیر کر دیے۔ میں اسے پلٹ کر نہیں دیکھ سکتی تھی، اگر دیکھ لیتی تو شاید۔۔۔ شاید برسوں کا فاصلہ کھڑے کھڑے سمٹ جاتا۔

"جانتا ہوں یہ سوال جائز نہیں، مگر پھر بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم خوش ہوں؟" اس نے وہ سوال پوچھ لیا جو میں نے آج تک خود سے نہیں پوچھا تھا۔ میں اس کے سوال پر لاجواب رہی

۔"تمہیں میری یاد نہیں آتی کیا؟"میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔آنکھوں میں بھی نمی محسوس ہونے لگی مگر میں نے پلٹ کر اسے نہ دیکھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔"میں بدقت بول پائی۔پھر وہ میرے سامنے آ کھڑا ہو گیا پر میری ہمت بھی نہ ہو سکی کہ میں آنکھ اٹھا کر اسے دیکھ سکوں۔جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے پلکوں کا گراں پردہ اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ زخمی سا مسکرا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بہت سی شکایتیں تھیں۔ہونے بھی چاہیے تھی۔اخر میں اس کی اتنی بڑی مجرم تھی۔اس کی گنہگار تھی۔پھر وہ راستے سے ہٹ گیا۔میں چند لمحے اس کی آنکھوں کا ملال دیکھتی رہی،اور اندر ہی اندر ٹوٹتی رہی۔پھر بڑی سفاکی سے وقت کی طرح آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

وہ چارپائی پر بیٹھی،اپنے پائل میں لپٹے پاؤں کو جھولا رہی تھی۔پائل کی جھنکار ہر جانب گونج رہی تھی۔اس کے چہرے پر ایک مسکان تھی۔مٹی سے بنی سیڑھیوں پر آہٹ کی آواز نے اس کی آنکھوں کی چمک کو بڑھا دیا۔اب وہ چھت پر پہنچ چکا تھا۔اس نے اس کے چہرے کو ایک نگاہ دیکھا اور چہرے پر حیا سجائے رُخ موڑ لیا۔

Clubb of Quality Content

"تمہاری خالہ سے تمہارا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔" اس کی آواز میں ڈھیروں خوشیاں نظر آ رہی تھی۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ گھر کے پیچھے لہلہاتے سرسبز کھیتوں پر نگاہیں ٹکائے، ہونٹوں پر شرارت سجائے ہوئے تھی۔

"ہاتھوں کو پیلا کرنے کی تیاری کرو۔" وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"میں اکیلی کیوں ہاتھ پیلے کروں۔ تمہاری بھی تو شادی ہو رہی ہے ناں۔ تم بھی ہاتھ پیلے کرو۔" اس کے معصوم چہرے پر اب بھی شرارت کا رنگ تھا۔

"ٹھیک ہے بھئی آج سے سب وہی ہو گا جو میری سمیرا چاہے۔" وہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی تھی۔

"چل جھوٹا کہیں کا۔" سمیرا نے پلٹ کر آنکھیں سیکوڑے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے کہا اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی۔

جبکہ وہ آنکھیں بند کیے اس کی پائل کی جھنکار کو محسوس کرنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے بالوں سے کھیل گیا۔

سمیرا کے ماں باپ بچپن میں ہی گزر چکے تھے۔وہ اپنی خالہ کے گھر میں پلی بڑی تھی۔ہمایوں اس کی خالہ کا بیٹا اور منگیتر تھا۔خالہ نے بچپن میں ہی ہمایوں اور سمیرا کی منگنی کر دی تھی۔ خالو بھی کم عمر ثابت ہوئے۔

اب وہ تینوں ایک دوسرے کی کل کائنات تھے۔چونکہ وہ دونوں جوانی کی سیڑھی پر قدم جما چکے تھے تو خالہ جان نے سادگی سے نکاح کا فیصلہ کیا۔وہ دونوں منگنی کے بعد ہی ایک دوسرے سے گہرائی سے جڑ چکے تھے۔ان کی آنکھوں کا ہر خواب ایک دوسرے کے سنگ تھا۔وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔گزر بسر کے لیے انہوں نے پانچ بھینسیں پال رکھی تھیں،ان کے دودھ کی فروخت سے وہ ضروریات زندگی سے نمٹ رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک ہفتے بعد

یہ ان کی شادی کا یوم تھا۔شادی بالکل سادگی سے کی گئی تھی۔چند قریبی رشتہ داروں کو اس تقریب پر مدعو کیا گیا تھا۔اُن میں ہمایوں کا چچازاد بھائی راحیل چوہدری بالکل بھی شامل نہ تھا۔اس کی وجہ غیر موجودگی پر بہت چاہ مگوئیاں ہوئیں۔مگر کوئی حقیقت تک نہ پہنچ پایا۔

"اب ہم سے کیسا پردہ؟" ہمایوں کمرے میں داخل ہوتے گویا ہوا۔اس کے چہرے پر شرارت تھی۔"پردہ ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔وہ سنا ہے ناں، ہر ایک چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔" سمیرا نے بھی شرارتوں میں پی۔ایچ۔ڈی کر رکھی تھی۔وہ اندھیرے کو مٹاتے لالٹین کی جانب دیکھ رہی۔

"تو کیا قیمت ہے بے حجابی کی۔" ہمایوں کے بدن پر سفید سوٹ بہت جچ رہا تھا۔وہ بھی لالٹین میں دمکتی سنہری روشنی کو گھورنے لگا۔ سمیرا نے بیڈ پر پڑے ہوئے کاغذ اس کی نظر کیے۔تو اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیے۔

"پہلی قسم۔۔" وہ کاغذ میں چھپے ہوئے بے جان الفاظ، اس کی سماعت کی نظر کر رہا تھا۔

"جنت میں بھی تمہارا ہاتھ تھامنے کا حق صرف مجھے ہو گا۔" بولتے ہی اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔"دوسری قسم، ناراضگی کا حق صرف سمیرا بتول کے پاس ہو گا۔منانے کے لیے کم از کم دس جتن تو کرنے ہی پڑھیں گے۔" اب ہمایوں نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"اگر یہ دو قسمیں منظور تو ٹھیک، ورنہ چلتے بنو یہاں سے۔" وہ انگلی کے اشارے سے اسے باہر کا راستہ دکھانے لگی۔ "قسم تو خیر نہیں اٹھا سکتا، مگر "صرف تمہارا" ہمایوں بن کے دکھاؤں گا۔" ایک خالص سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بسیرا کیے ہوئے تھی۔

شادی کو دو سال بیت چکے تھے۔ ان دو سالوں میں ان کی ازدواجی شناسائی میں کوئی کمی نہ آئی۔ مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے باوجود بھی دونوں کا تعلق دو سال کے عرصے میں خوشگوار رہا۔ مگر اب اولاد نہ ہونے کے سبب سمیرا اکثر پریشان رہنے لگی تھی۔ ہمایوں اسے "رب سوہنے پر ایمان رکھ وہ ہماری دعائیں رد نہیں کرے گا۔" یہ کہہ کر تسلی دیتا تھا۔

خوشخبری کب ملے گی، کب تیرے آنگن میں پھول کھلے گے، کہیں تم میں کوئی نقص تو نہیں، کہیں خرابی ہمایوں میں تو نہیں؟" لوگوں کے سوالات اس کی حوصلہ شکنی کر دیتے۔ اب وہ واقعی خود کو بانجھ سمجھنے لگی تھی۔ شاید لوگوں کی بے بنیاد گفت و شنید پر وہ ایمان لے آئی تھی۔ مگر ہمایوں اور خالہ جان ہر وقت اسے خوش رکھنے کی سعی میں لگے رہتے۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتا رہتا تھا۔ پر وہ بے اولادی کو دل پر لے چکی تھی۔ اس نے ہنسنا پہلے کی

نسبت بہت کم کر دیا تھا۔ وہ پہلے کی طرح شرارتیں بھی نہیں کرتی تھی۔ گھر میں آنے والے ہر فرد پر یہ لازم و ملزم ہو چکا تھا کہ وہ اس کے بانجھ پن پر سوال داغے۔

ایک دن سمیرا کی نَو بیاہتا دوست شازیہ گھر آئی۔ شازیہ وہی تھی جس کے ساتھ وہ بچپن میں چاچا شبیر کے ہاں چوری چوری بیر توڑنے جاتی تھی۔ شازیہ نے سمیرا کی مایو پر کی "ٹپے اور مایئے" سنائے تھے۔ مگر سمیرا کو اسکی آواز میں "لٹھے دی چادر اُتے سلیٹی رنگ مایا" اور "تئیاں رانیاں" یہ گیت سننا بہت مرعوب تھا۔ وہ اکثر شازیہ کی بے تکی باتوں پر کھسیانی ہنسی ہنستی رہتی تھی۔ پھر شازیہ بھی بابل کا دیس چھوڑے پرائے آنگن کی ہو گئی۔

چند لمحے وہ خوش گپیوں میں مصروف رہیں۔ وہ واحد لڑکی تھی۔ جس نے سمیرا کی بے اولادی پر سوال نہ اٹھایا۔ دل ہی دل میں یہ بات سمیرا کو بھا گئی۔ اسی دوران شازیہ کی ماں بھی آ پہنچی۔

"شادی کے بعد ہر جگہ منہ اٹھائے نہیں چل پڑتے آوارہ کہیں کی۔" اس عورت کے چہرے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔ سمیرا اور شازیہ ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

"اماں یہ ہر جگہ نہیں ہے۔ یہ سمیرا کا گھر ہے۔ جس کے ساتھ میں نے بچپن بیتایا ہے۔" اسے اپنی ماں کے رویے پر وحشت ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ہاں نبھالے دوستیاں۔پھر خود بھی اس بنجر کی طرح بے اولاد پڑی رہنا۔"اس عورت نے حقارت بھری نگاہ سمیرا پر ڈالی۔ سمیرا کو اپنا کلیجہ منہ میں آتا ہوا محسوس ہوا۔اچانک آنکھوں نے تالاب کا روپ دھار لیا۔وہ اچھنبے سے شازیہ کو دیکھنے لگی۔جبکہ شازیہ بیچاری پر گھڑوں پانی گرا۔ایک آنسو ٹوٹ کر سمیرا کی گود میں آ گرا۔اور وہ بھاگتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔شازیہ کے چہرے پر دردمندی تھی۔وہ خالہ جان سے معذرت کر کے وہاں سے چل دی۔ کتنی ہی دیر بعد وہ اندر دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گھٹنوں پر سر رکھے دھیمی آواز میں روتی رہی۔ جبکہ خالہ دروازے پر دستک دیتی رہی۔

رات جب ہمایوں گھر آیا تو خالہ جان نے اسے سارے ماجرے سے آگاہ کیا۔وہ چلتا ہوا چھت پر چلا آیا۔وہ رات کے اندھیرے میں نہ جانے کیا کھوج رہی تھی۔وہ چپ چاپ اس کے قریب جا بیٹھا۔اس نے ایک نظر ہمایوں کو دیکھا۔پھر رخ موڑ کر آنسو صاف کرنے لگی۔

"اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ صاحبِ اولاد خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں، تو تم غلط ہو۔یا تو انہیں مال و دولت کی قلت ہے۔یا اولاد کی نافرمانی کا دُکھ۔ مختصر یہ کہ زندگی کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔خواہشات جنم لیتی رہتی ہیں۔پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر انسان۔۔انسان کبھی بھی

راضی نہیں ہوتا۔" وہ اندھیرے میں مشعل تلاش کرنے لگا، جبکہ سمیرا چپ چاپ اسے سنتی رہی۔

"لوگوں کو بس وقت گزارنے کے لیے ایک عنوان چاہے ہوتا ہے۔اسی لیے کبھی وہ کسی کی محرومیوں پر قہقہے لگاتے ہیں۔تو کبھی کسی باکرہ کی کردار کشی سے دل بہلا لیتے ہیں۔یہ سب اس معاشرے میں وقت گزارے کا رخت ہے۔" اب وہ اس کے پیروں میں پہنی پائل کو دیکھے گویا ہوا۔

"اس لیے پریشان ہونا چھوڑ دو۔یہ آزمائش ہے۔اور آزمائش صبر سے ٹلتی ہے۔جس دن تم اس کی رضا میں راضی ہو جاؤ گی۔وہ خود ہی تمہیں نواز دے گا۔" ہمایوں کے الفاظ کی روشنی اس کے دل کے اندھیرے ملیامیٹ کر رہی تھی۔ہمایوں نے اس کے کندھے پر بازو رکھا۔اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھپکنے لگا۔وہ کئی پل اس کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی، ٹسوے بہاتی رہی۔جب تھک چکی تو اسے اپنے سینے میں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

"اب میں صبر سے اس کے انعام کی منتظر رہوں گی۔" اس کے الفاظ اُمید کی کرنوں سے نہائے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے بھی سرد آہ خارج کی۔ اس رات کے بعد اس نے خوش رہنا شروع کر دیا۔ عبادات میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ہمایوں اسے پہلے والی سمیرا بنتا دیکھتے بہت پر سکون ہو گیا۔ مگر مشکلات نے اس کا پلو نہ چھوڑا۔

اب محلے کی عورتوں کے ہاتھ ایک نیا عنوان لگ چکا تھا۔ ہمایوں کی دوسری شادی۔ وہ اکثر خالہ جان کو بیٹے کی دوسری شادی کا مشورہ دینے لگتیں۔ وہ چپ چاپ ان کی باتوں پر کڑتی رہتی۔ اندھیری رات میں اپنا سُونا آنگن دیکھے سرہانے تلے منہ دبائے روتی رہتی۔

اب آہستہ آہستہ خالہ جان نے بھی اس سے لاتعلقی کر لی تھی۔ وہ کم ہی اس سے کلام کرتی تھیں۔ یہ بات محسوس کیے سمیرا نے بھی چُپی طاری کر لی۔

ایک روز وہ خالہ جان کو کھانا دینے جا رہی تھی۔ تو اسکے کانوں نے سیسہ انڈیلتا یہ جملہ سنا" ہمایوں اب تم دوسری شادی کر لو۔ یہ آنگن بہت ویران لگنے لگا ہے۔" سمیرا کے قدم منجمند ہو گئے اور اس کی آنکھیں اشک بار۔" پھر ہمایوں نے اپنی ماں کی گود میں سر رکھا اور دور کسی غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگا۔ جبکہ وہ کان لگائے آنسو بہا رہی تھی۔

"ماں وہ لمحہ آپ کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوتا، جب ہماریوں پیدا ہی نہ ہوتا۔اور بابا نے دوسری شادی کی ہوتی۔" چند لمحے سناٹا چھا گیا۔ سمیرا اسکی بات پر تھم کر خالہ کے ردِ عمل کی منتظر رہی۔ایک آنسو خالہ جان کی آنکھوں سے گرا۔"ماں وہ بیٹی ہے آپ کی۔آپ جانتی ہیں کہ وہ کتنی حساس ہے۔وہ لوگوں کی باتوں کو پسِ پشت ڈال سکتی ہے پر آپ کی بات کو کیسے۔وہ ۔۔۔۔وہ بدل چکی ہے ماں۔وہ بکھر چکی ہے۔مجھے۔۔۔مجھے دوسری شادی کے خواب دیکھنے کی بجائے اسے سمیٹنا ہے۔اور۔۔اور آپ کہتی ہیں ناں کہہ سمیرا کی ہنسی تو موتیے کے پھولوں کی طرح اس در و دیوار کو مہکا دیتی ہے۔پھر بس آپ اپنی ننھی سمینا کے جگر کو کیسے تکلیف دے سکتی ہیں۔"اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

سمینا ہمایوں کی خالہ اور سمیرا کی مرحومہ ماں ہے۔جس میں خالہ جان کی جان بستی تھی۔خالہ جان کے چہرے پر ندامت کی چادر واضح ہوئی۔

"یہ صبر کا وقت ہے اماں اور صبر کے بعد ہمیشہ اجر ہوتا ہے۔"اس کی آواز میں روشنی تھی ،امید کی روشنی،ایمان کی چمک۔

چند پل بیتنے پر خالہ جان سمیرا کے بالوں پر تیل لگا رہی تھیں۔وہ شرمندہ تھیں کہ انہوں نے لوگوں کی باتوں کو اہم جانا۔جب کہ اپنی بیٹی حزن میں تھی۔پھر اس کے بعد وہ سمیرا کا بہت خیال رکھنے لگیں۔سمیرا کی زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا۔

پھر وقت نے کچھ یوں کروٹ لی کہ سمیرا اب امید سے تھی۔آخر کار اس کی مراد پوری ہونے جا رہی تھی۔دورِ حزن کا خاتمہ ہوا۔لیکن خوشی ملنے کے بعد بھی اس نے خدا کو فراموش نہ کیا ۔اس نے تہجد میں قیام جاری رکھا۔خالہ جان اور ہمایوں اسکی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

محلے کے لوگ اسے مبارکباد دینے آئے تھے، لیکن ان کی مبارک اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔پھر وہ دن آیا جب اس نے بیٹے کو جنم دیا۔بچے کی پیدائش کی خوشی میں ہمایوں نے 15 دن مسلسل روزے رکھے۔ہر طرف خوشیوں کی رمق تھی، لیکن خوشیاں کہاں طویل العمر ہوتی ہیں۔وہ بچے کو گود میں اٹھائے بیٹھی تھی۔بچے کا چہرہ زرد دکھ رہا تھا۔اس کے بدن سے کمزوری چھلک رہی تھی۔وہ اکثر روتا ہی رہتا تھا۔سمیرا کو کچھ کھٹک رہا تھا۔

ایک دن وہ خالہ کے ساتھ گاؤں کے حکیم کے پاس بچے کو لے کر گئی۔"معاملہ سمجھ سے باہر ہے۔آپ یوں کریں کہ بچوں کو شہر لے جائیں۔بچوں کے طبیب سے اس کا معائنہ کروائیں۔"حکیم نے مشورہ دیا۔وہ گھر لوٹے تو چہرے کی رونق غائب تھی۔

"شہر میں ہسپتال تو بہت مہنگے ہوتے ہیں۔اور سفر کا خرچ الگ سے ہو گا۔"وہ افسردگی سے بولی۔

"بھینسوں کے دودھ کی فروخت سے جو پیسے ملتے تھے۔وہ خرچ ہو گئے ہیں۔لیکن فکر مت کرو اللہ مدد کرے گا۔"ہمایوں کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا۔بچہ اب سو رہا تھا۔اگلے دن صبح سب چھاچ پینے بیٹھے تھے،بچہ سمیرا نے گود میں لے رکھا تھا۔

"میں نے راحیل کو خط لکھا ہے۔بچے کی حالت سے آگاہ کیا ہے۔اب جوابی خط کا منتظر ہوں۔"وہ ننھے بچے پر نظریں ٹکائے بولا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہماری مدد کرے گا۔آخر اپنے باپ پر ہی جائے گا ناں۔"خالہ جان نے ناپسندیدگی سے کہا۔

چند عرصہ قبل ہمایوں کے تایا نے دھوکے سے ترکے میں ملنے والی زمینیں اپنے نام کروالی تھیں۔ جبکہ ہمایوں کے باپ کے پاس صرف پانچ بھینسیں تھیں۔ان کے دھوکے کے باعث ان کی زندگی کٹھن ہو گئی۔اسی لیے خالہ جان کو وہ ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔

"خالہ جان ہمارا شہر میں کوئی جاننے والا بھی تو نہیں۔وہ ڈاکٹر بھی ہے۔کم از کم کسی اچھے ڈاکٹر کا پتہ تو دے دیں گے ناں۔" سمیرا امید سے بولی۔

ایک دم سناٹا چھا گیا۔دو روز بعد ہی جوابی خط موصول ہو گیا۔پھر ہمایوں نے چاچا امجد، جو کہ اس کا ہمسایہ تھا،اس سے تھوڑی سی رقم قرض پر لی۔تیسرے روز سمیرا اور ہمایوں ٹانگے پر بیٹھے شہر کی جانب روانہ ہو رہے تھے۔

دھول سے اَٹی کچی پگڈنڈیاں ان افسردہ مسافروں پر اپنی دھول برسا رہی تھیں۔

کچی پگڈنڈیوں کے گرد لہلہاتے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے ہمایوں کو یاد آیا کہ جلد فصلوں کی کٹائی شروع ہونے والی ہے۔پھر وہ سوچتا کہ "اگر تایا ابا نے ہماری زمین نہ ہتھیائی ہوتی تو ہم بھی آج، بہار کے اس موسم میں، گندم کی کٹائی کی تیاری کر رہے ہوتے"۔چند پل بیتنے پر وہ اڈے پر پہنچ چکے تھے۔اب انہیں بس پر بیٹھ کر سیدھا ہسپتال پہنچنا تھا۔

سمیرا نے نیند کی آغوش میں آئے بچے پر نظریں جمائے محسوس کیا، کہ بچہ گزرتے دنوں کے ساتھ پھول کی طرح مرجھا رہا تھا۔ بچے کو دیکھ کر دونوں کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ہسپتال پہنچنے پر پتہ چلا کہ ڈاکٹر راحیل چوہدری آج چھٹی پر ہے۔

"ہمایوں ہمارا تو یہاں ان کے علاوہ کوئی جاننے والا بھی نہیں۔ اب شام ڈھلنے والی ہے۔ ہم کہاں رات گزاریں گے۔" سمیرا کی آنکھوں سے آنسو گرا۔

"یہ بڑے لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ پر تم غم مت کرو۔ اللہ کی زمین قدرے وسیع ہے۔" ہمایوں کی آنکھوں میں کرچیاں چبھنے لگیں۔

ان کے پاس قلیل رقم تھی اور وہ بھی اُدھار مانگ کر لائے تھے۔ وہ رقم بس اتنی ہی تھی کہ وہ بچے کے دوادارو کے ساتھ سفر پر خرچ کر سکیں۔

ہسپتال ایک مصروف شاہراہ پر موجود تھا۔ جس سے کچھ قدم کی دوری پر ایک خستہ حال پارک تھا۔ ہماریوں بیوی بچے کو لیے اس پارک میں پہنچ گیا۔ کچھ لوگ ارد گرد پھر رہے تھے۔ اور ہر آنے جانیوالا رُک کر انھیں ضرور دیکھتا۔ کیونکہ ان کا لباس ہی ان کی شناخت تھا ۔ وہ دونوں دیوار کی جانب منہ کیے بیٹھے رہے۔

"رشتے سے انکار کا بدلہ لے رہا ہے۔" سمیرا افسردہ لہجے سے بول رہی تھی۔

"نہیں وہ اپنا آپ دکھا رہا ہے۔ طاقت ملنے پر انسان سب سے پہلے اپنا باطن واضح کرتا ہے ۔" وہ اپنے بچے کو دیکھ رہا تھا۔

"تم بیٹھو میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔" کہہ کر ہمایوں اُٹھ کھڑا ہوا۔ قریب ہی ایک ٹھیلا لگا تھا۔ اس نے جیب سے بٹوا نکال کر پیسے دیکھے تو اچھنبے سے لب کاٹتے رہ گیا۔

کرائے پر بھی کافی پیسے خرچ ہو چکے تھے، بس اب کم ہی رہ گئے تھے۔ سو اس نے چاولوں کی ایک پلیٹ خرید لی۔ اس نے واپس آکر وہ پلیٹ سمیرا کے ہاتھوں میں تھما دی۔

"تم کیوں نہیں کھا رہے، ہمایوں؟" سمیرا نے چاول کھانے شروع کر دیے۔"

میں وہاں بیٹھ کر کھا آیا ہوں۔" وہ نظریں چراتا ہوا بولا۔ سمیرا چند لمحے حیرت خیز اسے دیکھتی رہی تھی۔

وہ جان گئی تھی کہ وہ بھوکا ہے۔ "تمہیں یاد ہے بچپن میں ہم کیسے کھانا کھاتے تھے۔" سمیرا نے چہرے پر مسکراہٹ لیے پوچھا۔ "ہاں یاد ہے۔" وہ نرمی سے بولا۔ "چلو آج پھر ویسے ہی کھاتے ہیں۔" سمیرا نے پلیٹ اس کی طرف سرکائی۔ "پر میں کھا چکا ہوں۔"

"پہلے میں تمہارے منہ میں لقمہ ڈالتی تھی۔"اس نے اس کی بات کاٹی اور پلیٹ سے ایک چمچ اس کی طرف بڑھایا۔

"پر میں کھا چکا۔۔۔"

"شادی کی رات قسمیں دو کاغذات پر لکھی تھیں۔"ایک بار پھر اس نے اس کی بات کاٹی۔ اور لقمہ ہمایوں کے منہ میں ڈال دیا۔

"میں نے صرف ایک کاغذ ہی تمہیں دکھایا تھا۔جبکہ دوسرا تکیے تلے چھپا رکھا تھا۔"وہ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس پر بھی کچھ وعدے تھے۔جو میرے خود کے لیے تھے۔ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں سمیرہ بتول ہر غم،ہر خوشی،ہر دھوپ،چھاؤں سب کچھ ہمایوں کے ساتھ بانٹے گی۔"ہمایوں مسکراتے ہوئے لقمہ چباتے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو آج میں کیسے اس وعدے سے پھر سکتی ہوں۔"اب ہمایوں نے سمیرا کی جانب نوالا بڑھایا ۔وہ دونوں حزن و مسرت کے ساتھی تھے۔انھیں ساتھ تو نبھانا تھا ناں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نمازِ عشا ادا کرنے کے بعد وہ دونوں وہیں سو گئے۔اچانک ہی میگھ گھام (بارش سے قبل حبس) نے پارک کو جھکڑ لیا۔چند پل بعد انہوں نے اپنے چہروں کو بھیگتا ہوا محسوس کیا۔وہ نیند کی آغوش سے نکلے تو دیکھا کہ اچانک بارش شروع ہو چکی تھی۔

وہ دونوں فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمایوں نے بچے کو اٹھایا۔وہ دونوں تیز قدم بڑھاتے ہوئے پارک سے نکل کر مین روڈ پر جا پہنچے۔وہاں ارد گرد آسمان سے باتیں کرتی عمارتیں، گھر اور دکانیں موجود تھیں۔مگر ان کے گزر بسر کے لیے کچھ نہ تھا۔سمیرا نے تفکر بھری نگاہیں اس پر ڈالی پر بولی کچھ نہ۔وہ بھی فکر مندی سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔

اچانک بارش تیز ہو گئی۔دونوں تیز تیز قدم چلتے ہوئے ایک گھر کے قریب جا کھڑے ہوئے۔گھر سے ادھیڑ عمر شخص نکلا اور ان کی طرف آگیا۔"فرزند، جب تک بارش تھم نہیں جاتی، آپ میرے گھر رک جائیں۔" بزرگ کے چہرے پر ڈھیروں خلوص تھا۔ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بزرگ کی پیروی میں چل دیے۔ان دونوں کے کپڑے کافی حد تک بھیگ چکے تھے۔

وہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کی نظر گھر میں ایک ہی قطار میں کھڑی پانچ گاڑیوں پر پڑی۔ گھر بھی کافی شاندار تھا۔

ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا۔ وہاں بہت سی جدید اشیاء تھیں، جو انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ "آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹا، تشریف رکھیے۔" بزرگ آدمی کے چہرے پر خفیف مسکراہٹ تھی۔ "دراصل ہمارے کپڑے۔۔۔"۔

"بیٹا کوئی بات نہیں تھوڑا سا پانی ہی کپڑوں پر لگا ہو گا۔ اتنے پانی سے صوفہ خراب تھوڑی ہو جائے گا۔" انہوں نے شفقت سے ہمایوں کی بات کاٹی۔ تو وہ دونوں مسکرا کر رہ گئے۔

"آپ بیٹھ جائیں، میں آپ کے لیے کپڑے بجھواتا ہوں۔" کہہ کر وہ مڑے۔

"چاچا جی رہنے دیں، کپڑوں کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تھوڑی دیر تک سوکھ جائیں گے۔" اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

بزرگ آدمی نے جواباً مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا اور باہر کو لپکے۔ اور وہ دونوں چپ چاپ صوفے پہ براجمان ہوئے۔

"اللہ ان پر فضل کرے۔ جو انہوں نے ہماری مدد کی۔ ورنہ کون کسی کے لیے یہ سب کرتا ہے۔" سمیرا کے چہرے پر تشکر آمیز تاثرات تھے۔ وہ جواباً مسکرا دیا۔ بچہ ننھے ہاتھوں سے اپنی ماں کی تھوڑی کو چھو رہا تھا۔ ان دونوں کا دھیان اپنے بچے کی طرف ہو گیا۔ چند پل بیتنے کے بعد دو ملازم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ ایک نے ہینگر پر لپٹے کپڑے اٹھا رکھے تھے۔ جبکہ دوسرے نے چائے اور لوازمات۔

"یہ کپڑے صاحب جی نے آپ دونوں کے لیے بھیجے ہیں۔" ملازم نے کپڑے ہمایوں کو تھما دیے۔ وہ ان کپڑوں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایسے کپڑے اسنے زندگی بھر نہ دیکھے تھے۔

سمیرا نے بھی ایک نظر کپڑوں کو دیکھا۔ تو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ تو بہت مہنگے لگ رہے ہیں۔ تم یہ واپس کرو۔" سمیرا نے سرگوشی کی۔ مگر ہمایوں خاموش رہا۔ ملازم نے کہا ہے کہ "آئیں میں آپ کو کمرہ دکھا دوں"۔ وہ دونوں کپڑے اور بچہ اٹھائے چل پڑے۔ دوسرے ملازم چائے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے، کمرے میں جا پہنچے۔ کمرے میں ایک بیڈ تھا۔ جس کے قریب صوفے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر کچھ فوٹو فریم لگے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ان فریم پر کوئی دھول، کوئی گرد نہیں تھی۔یوں جیسے ہر روز انہیں گرد سے پاک کیا جاتا ہو ۔ہر فریم میں ایک بیس، بائیس سالہ نوجوان کی تصاویر موجود تھیں۔

چند لمحے بعد وہ دونوں نئے لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔جبکہ بچے کے کپڑے سوکھنے کے لیے ٹاور اسٹینڈ پر لٹکا دیے۔کیونکہ اس کے سائز کے کپڑے اس گھر میں موجود نہ تھے۔اور گھر سے باہر بارش کی حکمرانی تھی۔

سمیرا اس نئے اور مہنگے لباس میں نہایت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔سرمئی رنگ کی شلوار قمیض میں وہ دمک رہی تھی۔کچھ پل کے لیے اس کی نظر آئینے پر ٹھہر گئی تھی۔

اگلے صبح سورج نے زمین باسیوں کی خیرت جاننے کے لیے اپنی نارنجی شعائیں پھیلانا شروع کر دیں۔وہ بلند و بالا عمارت ساری دھوپ میں سنہری معلوم ہو رہی تھی۔

ناشتے کی ٹیبل پر رنگا رنگ کھانوں کی خوشبو بھوک کو بڑھا رہی تھی۔اُن دونوں نے بزرگ آدمی کے ساتھ ناشتہ کیا۔آدمی کے سوال پر ہمایوں نے بتایا کہ وہ بچے کے معائنے کے سلسلے میں آئے ہیں۔

چند پل بیتنے پر وہ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔وہ دونوں ویٹنگ ایریا میں بیٹھے تھے۔ہسپتال مریضوں سے بھرا پڑا تھا۔ہر سُو دوائیوں کی بُو فضاؤں کو بوجھل کر رہی تھی۔لوگوں کی آمدو رفت دیکھ کر سمیرا کا جی گھبرانے لگا تھا۔اس کے ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی تھی

"دیر سے آنے کے لیے معذرت۔"ایک دراز قد مرد اُن کے قریب آتے ہی گویا ہوا۔وہ کلین شیف بنائے، بالوں کو ماتھے پر گرائے سفید کوٹ پہنے، گلے میں اسٹیتھواسکوپ لگائے ہوئے تھا۔"کوئی بات نہیں۔آپ بتائیں؟گھر میں سب خیریت سے ہیں؟"ہمایوں نے کشادہ پیشانی سے دریافت کیا۔

"بالکل۔سب ٹھیک ہیں۔"وہ بھی چہرے پر مسکراہٹ سجائے کھڑا تھا۔جبکہ سمیرا چُپ چاپ کھڑی تھی۔اس نے ایک آنکھ اُٹھا کر بھی اُسے نہ دیکھا۔کم از کم کل کی ذلت وہ فراموش نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس کی گود میں بچہ تھا۔"چائلڈ اسپیشلسٹ آچکے ہیں۔اب دونوں میرے ساتھ چلیں۔"ڈاکٹر راحیل ایک سرسری نظر سمیرا پر بھی ڈالی۔

"ہمایوں بچے کو ان کے ساتھ لے جاؤ۔میں یہی انتظار کرتی ہوں۔"سمیرا نے سرگوشی کی۔

"جیسے تم چاہو۔" ہمایوں نے بچہ تھام لیا اور ڈاکٹر راحیل چوہدری کے ہمراہ چل دیا۔ سمیرا کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

اچانک وہ وقت کی کشتی پر سوار ہوئے چار سال پیچھے چلی گئی۔ اس کچے مکان کے برامدے میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جن پر سفید کڑھائی والے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ چند قدم کی دوری پر مٹی کا چولہا رکھا ہوا تھا۔ گھر کے وسط میں ایک درخت موجود تھا۔ جس کی چھاؤں تلے سمیرا اکثر بیٹھے چاول صاف کرتی تھی۔ ان چارپائیوں پر تقریباً پچپن سالہ میاں بیوی براجمان تھے۔ جو کہ دیکھنے میں نئے نئے امیر لگ رہے تھے۔ وہ ہمایوں کے تایا اور تائی تھے۔ ان کے ساتھ ان کا پچیس سالہ بیٹا ڈاکٹر راحیل چوہدری بھی بیٹھا تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد سب بیٹھے باتیں کرنے لگے۔

"ہم سمیرا سے راحیل کی نسبت طے کرنے آئے ہیں۔ شگفتہ بیگم انہیں "مہنگی" انگوٹھی دکھاؤ۔" تایا نے ٹانگ پر ٹانگ جمائے، سگریٹ کے کش لیتے کہا۔ ان کے ماتھے تکبر کی دھول واضع تھی۔ ساتھ ہی بیٹھی شگفتہ بیگم نے ہینڈ بیگ کی زپ ابھی کھولی ہی تھی کہ خالہ جان بول اٹھی۔

"بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ سمیرا کی نسبت ہمایوں سے طے کر دی گئی۔ یہ پھر کیسے یہ۔۔۔" خالہ جان نے بے تاثر چہرہ لیے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شگفتہ بیگم نے قدرے حقارت سے انھیں گھورا۔

"سمیرا میرے بیٹے کی پسند ہے۔ ابھی نسبت ہی تو طے ہوئی ہے، (وہ سانس لینے کو رکے۔) میرے بیٹے کی پسند کو اگر طلاق بھی دلوانی پڑتی، تو میں دلوا دیتا۔" ان کے چہرے پر سرخی دوڑ آئی۔ چند لمحے سناٹے کی نظر۔ سمیرہ قریب ہی چائے پکانے میں مصروف تھی۔ یہ سنتے ہی اس کے ابرو تن چکے تھے، وہ دانت پیستی رہ گئی۔

"بھائی صاحب ہمارے ہاں رشتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ انہیں مرنے دم تک نبھایا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کا پتہ نہیں۔۔" خالہ جان نظریں جھکائے اسپاٹ لہجے میں گویا ہوئیں۔ جبکہ راحیل سر جھکائے عادتاً اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ٹکرا رہا تھا۔

"تمہارا بیٹا کنگال ہے۔ اسے دو وقت کی روٹی بھی نہ کھلا پائے گا۔ کیوں اس یتیم پر ستم ڈھا رہی ہو۔" انہوں نے سگرٹ کا کش لیا اور دھواں فضا کے حوالے کیا۔ "اور وہ اس قبر جیسے گھر میں کبھی اچھے سے زندگی نہیں گزار سکے گی۔" ان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"سمیرا بیٹی ادھر آؤ۔" خالہ جان نے چہرے پر ناگواری سجائے اسے پکارا۔ وہ چائے چولہے پر ہی چھوڑے، سر پر دوپٹہ سجائے آ کھڑی ہوئی۔ راحیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر تکبر و خود اعتمادی سے مسکرا دیا۔

"سمیرا تمہاری خوشی بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ ہمایوں کی۔ (وہ سانس لینے رکی۔)اگر تم ہمایوں سے منگنی توڑ کر راحیل سے کرنا چاہو تو تم اس کے لیے آزاد ہو۔ تمہاری خواہش کا احترام کیا جائے گا۔" خالہ جان کو اپنے گلے میں کانٹے چُبتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ جانتی تھیں کہ ہمایوں، سمیرا سے کتنی محبت کرتا ہے۔

چند لمحے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔ سب اس کے لب کھولنے کے منتظر تھے۔

"خالہ جان شادی کے بعد ہمایوں کے سارے کام میں اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتی ہوں۔" سمیرا کے ہونٹوں پر شرارت آ دوڑی۔ جبکہ راحیل کے چہرے پر طیش۔ یہ سن کر خالہ جان کا رنج ہوا ہو گیا۔ ان کی آنکھوں میں چمک اور زمانوں کی مسافت کے اثرات لیے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہوں نے اُٹھ کے سمیرا کا ماتھا چوما اور پلٹ کر طنزیہ نگاہ مہمانوں پر ڈالی۔"اب چلنا ہے یا باپ کو اور زلیل کرواؤ گے،ان دو ٹکے کے لوگوں سے، چلو سب۔"تایا غصے سے سگریٹ کو زمین پر پھینکتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ان کا غضب بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔

شگفتہ بیگم نے نفرت بھری نگاہ سمیرا اور خالہ کی جانب اُچھالی اور باہر کو نکلی۔راحیل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔خالہ جان اپنے کمرے میں جا پہنچی۔جبکہ راحیل پلٹ کر سمیرہ کی جانب آگیا۔سمیرہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"میرے پاس گھر ہے، گاڑی ہے، پیسہ ہے، تم پھر بھی اس ہمایوں سے شادی کرنا چاہتی ہو، گنوار لڑکی۔(وہ الفاظ کے نام پر زہر جمع کرنے رکا)ہمایوں تمہیں پھوٹی کوڑی بھی نہ دے پائے گا۔ایک ایک پائی کی محتاج ہو جاؤ گی تم۔"وہ مشتعل ہوا۔

"راحیل بھائی!اب آپ کو چلنا چاہیے۔مجھے باہر کا دروازہ بند کرنا ہے۔"اس نے گردن جھکائے بے تاثر چہرہ لیے کہا۔تو چند لمحے وہ دانت پیستا رہ گیا۔"جس نازک ہاتھ سے اس کچرے کے ڈھیر کو صاف کرتی ہو،اس کو سونے کی چوڑیوں سے بھر دوں گا۔"اس نے سمیرا کی کلائی تھامے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

سمیرا نے پہلی بار نظر اُٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں مکمل طور پر سرخ ہو چکی تھی۔اس نے اپنے ایک ہاتھ کو دیکھا جو کہ راحیل نے تھام رکھا تھا۔پھر دوسرے ہاتھ سے زوردار تماچہ راحیل کے چہرے پر دے مارا تو وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا۔

"یہ دیہاتی لڑکی کا ہاتھ ہے، قطعاً نازک نہیں ہے۔" وہ سانس لینے رُکی جبکہ راحیل چہرے پر ہاتھ جمائے، دانت پیستے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور جہاں تک تمہاری دولت کی بات ہے ایسی دولت میں ہمایوں کے سر سے وار دوں، سمجھے۔" وہ اسے انگلی دکھا کر بول رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ہمایوں اس واقعہ سے بے خبر رہا۔جب کہ وہ ماضی سے حال میں آچکی تھی۔وہ ویٹنگ ایریا میں کرسی پر بیٹھی تھی۔اسی لمحے ہمایوں بچے کو تھامے آپہنچا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے سب ٹھیک تو ہے"۔وہ اسے چپ دیکھے فکر مند ہوئی۔"ہاں؟" وہ چونکا۔" ہاں ٹھیک ہے۔" وہ چند لمحے سر جھکائے بچے کو دیکھتا رہا۔بچے کا چہرہ مکمل مرجھا چکا تھا۔" ہمایوں مجھے سچ سچ بتاؤ۔سب خیر تو ہے۔کاکا ٹھیک تو ہے۔" سمیرا کے دل کی دھڑکن بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ بچے کو دل کے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔اس کی نظریں ابھی بھی بچے کے چہرے پر ٹکی تھیں۔"دل کے ڈاکٹر؟" سمیرا کو اپنے چہرے پر پسینہ بہتا محسوس ہوا۔وہ حیرت سے ہمایوں کو دیکھ رہی تھی۔اور دل میں آئے وسوسوں سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔انہوں نے خاموش رہنے میں ہی حکمت جانی۔

وہ تین دن بعد ہسپتال گئے تھے۔اب وہ دونوں کارڈیالوجسٹ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔

"جو میں بتانے جا رہا ہوں۔آپ حوصلے سے سنیں۔"اس ادھیڑ عمر شخص نے چہرے پر افسردگی بھرے تاثرات لیے کہا اور چند لمحے خاموش رہے۔

"علامات سے ظاہر ہوا ہے کہ آپ کا بچہ پیدائشی دل کی بیماری میں مبتلا ہے۔"وہ آگے بتانے کے لیے ہمت جمع کر رہے تھے۔"بچے کی حالت بہت بگڑ چکی ہے۔ٹیسٹ کے رزلٹ کے مطابق بچے کے دل کا ٹرانسپلانٹ کرنا پڑے گا۔"ڈاکٹر بچے کو دیکھتے ہیں افسردگی سے گویا ہوا۔

"کیا مطلب ڈاکٹر صاحب؟" ہمایوں نے اچھنبے سے پوچھا۔بچہ سمیرا کی گود میں تھا۔اسے بچہ دھندلا نظر آنے لگا۔آنسو گرنے پر وہ واضح ہوا, پھر دوبارہ دھندلا گیا۔بچے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔"مطلب بچے کا دِل بدلنا پڑے گا۔" اچانک ان دونوں کو سینے میں گھٹن کا احساس ہونے لگا۔کمرے میں کاربن ڈائی آکسائڈ بڑھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔سمیرہ کے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔

"آپریشن بہت مہنگا ہے اور پاکستان میں ابھی تک نہیں کیا گیا۔پاکستان میں اس کا علاج ممکن نہیں۔" وہ دونوں اٹھے اور بلا مقصد سڑکوں پر پھرنے لگے۔گاڑیوں کا شور انہیں سنائی نہیں دے رہا تھا۔انہیں بس اپنا بچہ دکھائی دے رہا تھا۔اگلے دن انہوں نے بزرگ کو خدا حافظ کہا اور ان کے عالی شان بنگلے میں رہنے پر شکر ادا کیا۔پھر گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔سارا راستہ وہ خاموش رہے۔ہسپتال سے آنے کے بعد دونوں میں کوئی بات چیت نہ ہوئی ہر طرف سناٹا تھا۔

ان کو اگر آواز آتی بھی تھی تو صرف بچے کے رونے کی۔اس کی آہ پر وہ دونوں تڑپ جاتے۔اور فوراً اسے لیے بہلانے کی کوشش کرتے۔جب گھر پہنچے تو رات نے اپنی سیاہ زلفیں بکھیرنا

شروع کر دی۔وہ دونوں چپ چاپ ایک ہی چارپائی پر بیٹھے تھے۔خالہ جان پانی کا گلاس ہمایوں کو تھمانے کے بعد دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"لاؤ میرے بچے کو میری گود میں دے دو۔اور تم بھی پانی پی لو۔" خالہ جان سمجھیں کہ وہ دونوں تھکاوٹ کے بعد چپ چاپ بیٹھے ہیں۔خالہ جان بچے کو تھامنے کے لیے آگے بڑھی تو سمیرا نے فوراً بچے کو سینے سے لگا لیا۔

"نہیں دوں گی۔یہ میرا بچہ ہے۔میں کسی کو نہیں دوں گی۔کسی کو نہیں۔"اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی اور بچے کو مضبوطی سے سینے سے لگا لیا۔خالہ جان حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

ہمایوں نے شفقت سے اپنی ماں کا بازو تھام لیا،وہ انہیں لیے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا سمیرا ناراض ہے مجھ سے؟"انہوں نے دھیمی آواز میں دریافت کیا۔آنسو ان کے چہرے پر بہہ رہے تھے۔"اماں وہ۔۔۔"وہ بولتے بولتے رک گیا۔اس کا چہرہ مکمل جھکا ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content

"اِدھر دیکھ ہمایوں کیا ہوا ہے؟" انہیں کچھ کھٹک رہا تھا۔ انہوں نے اس کا چہرہ اوپر کیا تو اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔ آنکھیں سرخ رنگ لیے ہوئے تھیں۔

"تُو مجھے پریشان کر رہا ہے، ہمایوں۔ کھل کر بتا ماجرا کیا ہے؟" ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ماتھے پر سے پسینہ ٹپکنے لگا۔

"بچے کو دل کی بیماری ہے اماں۔" آنسوؤں نے آنکھوں سے نکل کر گالوں کا سفر طے کیا۔ یہ سن کر اس کی ماں نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور ان کی آنسوؤں کی روانی بڑھتی گئی۔ چند لمحے بعد وہ سکتے کی کیفیت میں چلی گئیں۔

"اس کا دل تبدیل کرنا پڑے گا اماں۔" کہہ کر وہ اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ "اماں میں اپنے بیٹے کو مرنے نہیں دوں گا۔" وہ اچانک ہی زار و قطار رونے لگا۔ "اماں میں کیسے اپنے بچے کو بچاؤں؟" اس کی ناک سے پانی بہنے لگا۔ "میں کیسے ان ہاتھوں میں اُسے مرنے دوں اماں؟ کیسے؟" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بے بس ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"پریشان مت ہو پتر اللہ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔" ان کا چہرہ مکمل بھیگ چکا تھا۔

"ابھی۔۔ابھی تو میں نے اس کا نام بھی نہیں رکھا۔ابھی تو اس کے کپڑے بھی نہیں لایا۔ اسے شہر کی سکول سے تعلیم دلانا چاہتا تھا۔" وہ اٹک ٹک کر بول رہا تھا۔آنسو اس کی قمیض کو بھگو رہے تھے۔

اماں تُو دعا کرنا میرے بیٹے کو کچھ نہ ہو۔" وہ بازو سے اپنے آنسوؤں کو صاف کرنے لگا۔جبکہ اماں بت بنی ہوئی بیٹھی تھی۔

"اماں تو کرے گی ناں دعا۔" وہ بلند روتے ہوئے اپنی ماں سے پوچھتا ہوا وہ تین سال کا ہمایوں لگ رہا تھا،جو ماں کی گود میں سر رکھے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔میرے بیٹے ہاں۔میں دعا کروں گی۔اب تُو پریشان مت ہو۔" ان کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ان کا وجود کانپ رہا تھا۔چند لمحے وہ ایسے ہی ان کی گود میں سر رکھے روتا رہا۔

"سمیرا بیٹی کھانا کھالے۔" چند گھڑیاں بعد خالہ جان نے کھانا اس کے آگے رکھا۔سمیرہ نے بچہ گود میں لیا اور بنا کچھ کہے کمرے میں چلی گئی۔

"اے اللہ! کس گناہ کے سزا تُو ہمیں دے رہا ہے۔" خالہ جان نے شکوہ کناں نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی۔ آسمان پہ چاندی رنگ کا تھال ان کے درد کو محسوس کر رہا تھا۔ پھر خالہ جان چارپائی پر بیٹھے منہ کو کپڑے سے ڈھانپے رونے لگیں۔

"کیا کر رہی ہو سمیرا؟" وہ نرمی سے گویا ہوا۔ جبکہ سمیرا کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ وہ ایک گٹھلی سے اپنے کپڑے نکالنے میں مصروف تھی۔ ہمایوں چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ "کپڑے کیوں نکال رہی ہو، سمیرا"۔ اب وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ہمایوں کی آنکھیں رونے کے سبب سرخ تھی۔

"ہمایوں میرے سارے کپڑے لے لو، اور یہ جوتے۔۔۔" اس نے چارپائی کے قریب پڑے جوتوں کے ایک جوڑے کی جانب اشارہ کیا۔ "اور۔۔ اور یہ لو۔ یہ بھی لے لو۔" اس نے اپنے پاؤں سے جوتا اور سر سے دوپٹہ اتار کر ہمایوں کے سپرد کر دیا۔ جب کہ ہمایوں نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب بیچ دو اور یہ گھر بھی بیچ دو، بھینسیں بھی بیچ دو۔ پھر ہمارے بچے کا علاج کروانا ٹھیک ہے ناں۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اجنبیت ٹپک رہی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھی۔ ہمائیوں کو اپنے گلے میں آنسوؤں کا پھندا محسوس ہوا۔ اسے بے اختیار سمیرہ پر ترس آیا ۔ ہمایوں نے اسے گلے لگانا چاہا تو وہ پیچھے ہو گئی اور بچے کی جانب بڑھی۔ اچانک بجلی بند ہو گئی۔ پورا کمرہ اندھیرے میں گم ہو گیا۔ "جلدی سے چراغ جلاؤ ہمایوں"۔ اس کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا ہوا، سب ٹھیک تو ہے۔" وہ بولتے ہوے فوراً چراغ ڈھونڈنے لگا۔ "میرا بچہ اندھیرے میں ڈر جائے گا۔" وہ سیاہی میں گھم بچے پر نظریں جمائے بیٹھی، غیر حاضر دماغی سے بولی۔

"اسے کچھ نہیں ہو گا۔" چراغ جل چکا تھا۔ ہمایوں چارپائی پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہاں میں اسے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ قبر میں بھی ایسے ہی اندھیرا ہو گا ناں۔" وہ بولی تو اچانک اسے گھٹن کا احساس ہوا۔ دل پر تیز چاقو چلتا ہوا محسوس ہوا۔

"اسے کچھ بھی نہیں ہو گا۔ سمیرا تم بس اپنا خیال رکھو۔"۔ وہ تڑپ اٹھا۔ "ہاں میں کل سے اس کے لیے پیسے اکٹھے کروں گی۔ ہاں۔۔۔ ہاں ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو کیا ہوا۔ بہت سے امیر لوگ ہیں میں ان سے اللہ کے نام پر مانگوں گی۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

ہمایوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑا۔اسے اپنا کلیجہ منہ کو آتا محسوس ہوا۔ سمیرا کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ دماغی توازن کھو رہی تھی۔ "میں۔۔میں۔۔کچھ کروں گا۔میں اپنے بچے کو ضرور بچاؤں گا۔" ہمایوں کے الفاظ دم توڑ رہے تھے۔ جبکہ پلکوں سے آنسو گر رہے تھے۔ سمیرہ چپ چاپ بچے کو گلے لگائے بیٹھی تھی۔اس نے ہمایوں کی بات اَن سنی کر دی۔

اگلا دن طلوع ہوا۔ سورج ابھی بھی بادلوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا جی کو فرحت بخش رہی تھی۔ درختوں پر براجمان پرندے اپنے خالق سے اظہار عقیدت میں مصروف تھے۔اس گھر کی کچی دیواروں کی طرح سب کی نیند بھی کچی ہو گئی۔ بچہ جب بھی آہ بھرتا، وہ دونوں اٹھ کر اسے بہلانے لگتے۔ سمیرا نے تو جیسے شب بیداری کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ یہی چیک کرتی رہی کہ بچہ سانس لے رہا ہے یا نہیں۔

نیند تو ہمایوں سے بھی روٹھ چکی تھی جبکہ شب کے آخری پہر وہ سو چکا تھا۔اسے کچھ شور سنائی دیا۔ وہ فوراً جاگ اُٹھا۔ سب سے پہلا خیال اسے بچے کا آیا۔ کمرے میں نہ سمیرا تھی اور نہ بچہ۔ وہ اٹھ کر باہر جا پہنچا۔ "مجھے جانے دے خالہ جان۔ میرے راستے میں مت آئیں"۔ سمیرا کی

بلند آواز ہماریوں کے کانوں میں پڑی۔اب وہ برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔اس کی نظر دروازے کے قریب کھڑی سمیرہ پر پڑ گئی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے سمیرا۔۔"خالہ جان نے بے بسی سے اُسے کہا۔ہمایوں بھی اِن دونوں تک پہنچ گیا۔کہاں جانے کی بات کر رہی ہو سمیرا"۔وہ نرمی سے بولا۔اسے کچھ کھٹک رہا تھا۔

"اللہ کے نام پر مانگنے جا رہی ہوں، کوئی تو ہو گا جو میری جھولی بھرے گا۔کوئی تو میری مدد کرے گا۔"وہ بچے پر نظر جمائے غیر حاضر دماغی سے بولی۔

الفاظ کی کرچیاں ہمایوں کو اپنی آنکھوں میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔اور گالوں پر گرم مائع بہتا محسوس کیا۔وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تُو سمجھا اسے ہمایوں، سٹھیا گئی ہے یہ"۔خالہ تڑپ کر بولی اور اندر کی جانب چل دی۔جبکہ سمیرہ کے آنسو بچے کے گالوں پر گر رہے تھے۔سمیرہ وہ لڑکی تھی جس نے کبھی کسی سے ادھار بھی نہ لیا تھا۔اور آج وہ گداگری کا سوچنے لگی تھی۔اولاد واقعی ایک بڑا فتنہ ہوتی ہے۔

"آؤ اندر چلیں۔"ہمایوں نے اپنی آنکھیں صاف کر کے سمیرا کے کندھوں پر بازو جمائے اور بڑی محبت سے اسے اندر لے گیا۔سارا دن خالہ بچے کے پاس بیٹھی رہی۔خالہ کبھی گھر کا کام

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کرتی تو کبھی منہ پر دوپٹہ رکھے روتی رہتی اور ہمایوں بھی گاؤں کے لوگوں سے ادھار کا بندوبست کرنے لگا۔ "ہمایوں تو یہ گھر بیچ دے۔" خالہ جان گھر کی دیواروں پر نظر جمائے ناقابل فہم کیفیت میں بولی۔ ہمایوں نے ایک نظر کچے گھر کو دیکھا پھر آنکھیں جھکا لیں۔

"ماں پاکستان میں علاج ممکن نہیں۔ اور پردیس میں علاج بہت مہنگا ہے۔" اب وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے گویا ہوا۔

"تُو بھینسیں بھی بیچ دے، ساری قیمتی چیزیں فروخت کر دیں۔ پر میرے پُتر کو کچھ نہ ہو۔" اُن کی آواز بھیگ رہی تھی۔ پر وہ آنسو چھپا رہی تھیں۔ "اماں یہ سب بیچ کر تو ویزے کا خرچ بھی پورا نہ ہو پائے گا۔ علاج تو بڑے دور کی بات ہے۔" ہمایوں کے الفاظ دکھ اور درد کی نظر تھے۔ اب وہ رخ موڑ چکا تھا۔

ایک گہری خاموشی تھی۔ جو ماں اور بیٹے نے اختیار کر رکھی تھی۔ وہ رات کی تاریکی میں نہ جانے کس نور کی تلاش میں تھے۔ نہ جانے کونسی آندھی ان کی حیاتی کو اب تہس نہس کرنے والی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اگلے روز سب کھانا کھانے کے بعد دم سادہ آنگن میں بیٹھے تھے۔دروازے پر دستک نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔ہمایوں چند لمحے بعد دروازہ کھول کر واپس آیا تو ڈاکٹر راحیل بھی گھر میں داخل ہوا۔وہ بھی ان کے ہمراہ برآمدے میں چارپائی براجمان ہو گیا۔

"بچے کا علاج تمہاری اوقات سے باہر ہے۔"راحیل اپنے ہاتھ میں جلتے سگریٹ کو دیکھے نخوت سے بولا۔یقیناً سب کو اسکی بات بُری لگی۔مگر وہ نظریں جھکائے اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

"میں تم لوگوں کی مدد کر سکتا ہوں۔"اس کی بات پر سب تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"لیکن میری ایک شرط ہے۔"راحیل نے سگریٹ زمین پر پھینک کر اُسے پاؤں سے مسل دیا ۔

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے"۔کسی اور کے بولنے سے قبل سمیرا بول اٹھی۔اس کی آنکھوں سے واضح تھا کہ وہ اپنے بچے کی زندگی کے لیے ہر حد سے گزر جائے گی۔

"کیسی شرط؟"ہمایوں حیرانی اور دکھ سے بولا تو راحیل کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ دوڑ آئی۔

"تمہیں سمیرہ کو طلاق دینی ہو گی اور سمیرا مجھ سے شادی کرے گی۔۔"ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ ہمایوں نے بھاگ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔"تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہ سب بکنے کی ہاں۔ابھی کے ابھی یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ چلو جاؤ۔"ہمایوں نے اسے چارپائی سے کھڑا کر کے باہر کی جانب دھکیلا۔

"مت لو میری مدد بھاڑ میں جاؤ اور بیٹھ کر اپنے بچے کی موت کا انتظار کرو۔اور ہو سکے تو ایک قبر کا بھی انتظام کرو۔۔"اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہمایوں نے اس کے چہرے پر گھونسا دے مارا۔وہ دو قدم پیچھے کو لڑھک گیا۔"دفع ہو جاؤ خبیث۔میں تمہیں اپنا بھائی سمجھتا تھا اور تم؟۔۔۔شرم آنی چاہیے تمہیں۔"دوبارہ دھکا دیا۔

"مجھے ٹھکرا کر اس کنگال سے شادی کی تھی ناں سمیرا بتول۔ بھگتوں اس فقیری کو۔"اس بار راحیل سمیرا کی جانب دیکھتے ہوئے مشتعل ہوا۔"نکلو یہاں سے۔۔۔"ہمایوں غصے سے دھاڑا۔اس واقعہ کے بعد دن تورات میں بدل گیا، مگر بے چینی چین میں نہ بدل پائی۔گھر میں ایک سناٹا سا تھا،اگلی صبح تک سمیرا اور ہمایوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

"مجھے تم سے طلاق چاہیے، ہمایوں۔" اگلی صبح کا آغاز سمیرہ نے اس جملے سے کیا۔ وہ سفید پڑھتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

☆☆☆☆☆

امتل بی بی پچھلے پندرہ سال سے اچھرہ میں قیام پذیر تھی۔ ان کے گھر میں بہت رونق ہوا کرتی تھی۔ محلے کی اکثر خواتین اور نوجوان لڑکیاں ان سے کڑھائی سیکھنے آتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کی صفائی دیکھ کے ہر کوئی چونک جاتا تھا۔

امتل کا تعلق کسی اعلی خاندان سے نہیں تھا۔ وہ ویشیا کے چکلے پر پیدا ہوئی تھی۔ چکلے پر پیدائش کا یہی مطلب تھا کہ وہ بھی ایک رنڈی کی زندگی گزارے گی۔

مگر اس کی ماں نے اسے سلائی کڑھائی کا کام سکھایا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی امتل کی ماں کی فکر بڑھ گئی۔ ہر ماں کی طرح وہ بھی اپنی بیٹی کا روشن مستقبل چاہتی تھیں۔ لیکن ایسا نہ ہو پایا۔

چکلے کی سربراہ خاتون نے امتل کو بھی اسی دھندے پر بٹھایا۔ امتل اس کام سے نفرت کرتی تھی۔ پانچ سال یہ کام کرنے کے بعد ایک رات امتل کی ماں نے اسے چکلے سے فرار کر دیا۔

"اللہ کی زمین بہت بڑی ہے،" اس سوچ کے تحت اس نے بہت سی ٹھوکریں کھائیں۔

ایک دن اسے بوڑھا شخص ملا۔ جو سیف الملوک پڑھتا ہوا، راستوں سے گزرتا تھا۔ وہ درویش آدمی تھا۔ امتل درگاہ پر بیٹھی تھی۔

"کون ہو تم بیٹی۔" درویش نے پوچھا۔

"ایک گنہاگار عورت۔ اس خدا کی گنہگار ہوں۔"

"کس نے تمہیں ایسا بننے پر مجبور کیا۔: درویش اس سے سوال کر رہا تھا۔ "اس خدا کی مخلوق نے۔" امتل نے جواب دیا تھا۔

درویش کچھ دیر خاموشی کو توڑتے ہوئے بولے۔

"تو تم خدا کی گنہگار کیسے ہو گئ۔ یہاں تو مخلوق خطاکار ہے، جس نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ خطاکار تم نہیں خطاکار وہ ہیں۔ جنہوں نے تمہیں اس مقام پر پہنچا دیا۔ گنہگار تم نہیں۔ جہاں سے تمہارا خمیر اٹھایا گیا تھا۔ ان سب کا بھی وہی سے اٹھایا گیا ہے۔ مگر یہ لوگ اس سب کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہی لوگ ہیں۔ جو خود آلودہ ہیں مگر الزام تم پر لگا رہے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

امتل نے اسے بتایا کہ "میں راہ راست پر چل کر حلال کمانا چاہتی ہوں۔اور مجھے سہارا چاہیے۔"اس شخص نے اسے دیکھا، پھر اسے لیے گھر کی جانب چلا گیا۔

اس بوڑھے درویش صفت انسان کے دو بیٹے تھے۔عبدالغفور اور عبدالرحیم۔عبدالرحیم چھوٹا بیٹا، نابینا تھا۔انہوں نے امتل سے کہا کہ ان کے دونوں بیٹے حاضر ہیں۔ان میں سے جس سے چاہے گی میں تجھے بیاہ دوں گا۔

کیونکہ تُو اس کی راہ پر نکلی ہے، جو اس کی راہ پر نکلے، جھولیاں بھر کر لوٹتا ہے۔

امتل کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔بزرگ نے اپنی دو دُکانوں میں سے ایک دُکان اپنے بیٹے عبدالرحیم کو دے دی۔

عبدالرحیم ایک سفید پوش آدمی تھا۔اسے کھانے اور اوڑھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔وہ امتل کو بہت عزت دیتا تھا۔اس نے کبھی بھی امتل کو چکلے کی ویشیا یا رنڈی نہیں کہا تھا۔

امتل کی زندگی میں ایک سکون آگیا تھا۔

دوکان کرائے پر دینے کے بعد بھی، مالی حالات زیادہ بہتر تو نہ تھے۔مگر گھر کا چولہا جلتا تھا۔وہ دونوں صبر و قناعت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ٹھیک دو سال بعد ان کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا۔انہوں نے اس کا نام نسرین رکھا تھا۔

امتل کے خاوند عبدالرحیم کی اچانک وفات نے اسے بہت صدمہ پہنچایا۔ مگر وہ تنہا نہیں تھی۔اب آہستہ آہستہ نسرین اپنی ماں کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروا چکی تھی۔امتل نے فارغ اوقات میں کڑھائی اور سلائی کا کام شروع کر دیا۔

عبدالرحیم کی وفات کے بعد دکان کے کرائے دار انہیں کم کرایا دینے لگے۔ جس کے باعث ان کے مالی حالات پہلے سے بدتر ہو گئے۔ مگر سلائی کڑھائی سے وہ ماں بیٹی پیٹ پالنے لگیں ۔نسرین بھی اپنے والدین کی پرچھائی تھی۔رنگ روپ میں بھی اور عادات میں بھی۔جب نسرین سات برس کی ہوئی تو امتل نے اسے حفظِ قرآن کے سلسلے میں محلے کی ایک خاتون کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔

وہ خاتون بچوں کو ترجمہ و تفسیر بھی پڑھاتی اور حفظ بھی کرواتی تھی۔ نسرین بارہ سال کی عمر کو پہنچی تو مکمل قرآن حفظ کر چکی تھی۔اسی دوران امتل نے قرآن کی آیات کپڑوں پر کاڑھنا شروع کیں۔وہ لان کے کپڑے پر قرآن مجید کا پہلا پارہ چھپوا کر لائیں۔ پھر انہوں نے دن رات قرآنی حروف کی کڑھائی شروع کی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اماں تو بڑی نیک بخت عورت ہے۔" وہ جب بھی فریم لگا کر کپڑے پر کڑھائی شروع کرتی۔ تو نسرین خوش ہو کر کہا کرتی تھی۔

"نہیں میری دھی میں تو بڑی گنہگار عورت ہوں۔ نیک لوگ تو تیرے دادا جیسے ہوتے ہیں ۔جن کے چہرے پر ڈھیروں راحت نظر آتی ہے۔ تُو دعا کیا کر کے تیری ماں بھی رحمان کو پسند آجائے۔ کیونکہ جس نے رب پالیا، اس نے سب پالیا۔" وہ اکثر سوئی میں ریشم کا دھاگہ ڈالتے ہوئے اسے یہی سمجھاتی۔

پندرہ سال کی عمر میں اب وہ بھی ماں سے گھر گرہستی سیکھ رہی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی وہ اپنی ماں سے مچھلی، سندھی اور بلوچی تین قسم کا ٹانکا سیکھ چکی تھی۔ کھانے میں روٹیاں اس سے کبھی اچھی نہیں بنی تھی۔ وہ ہر بار خود ہی اپنی روٹیوں کو دیکھتے ہنستی رہتی تھی۔ امتل بی بی نسرین کے بائیسویں برس میں وفات پا چکی تھی۔ اس کی ماں کے بعد اس کے تایا عبدالغفور اسے اپنے گھر لے گئے۔

مگر عبدالغفور کی بیوی کو نسرین کی اپنے گھر میں موجودگی کھٹکنے لگی۔ اپنے گھر کے کام کاج وہ نسرین پر چھوڑ چکی تھیں۔ انہیں ایک مفت کی نوکرانی مل چکی تھی۔ کچن کا سامان لینے بھی وہی

،شاہ عالمی مارکیٹ جاتی۔ نسرین نے کبھی گلا نہ کیا۔بس چُپ چاپ کام کرتی رہی۔وہ جانتی تھی کہ "بِن مالی کے ،یونہی باغ اُجڑ جایا کرتے ہیں۔" پھر تائی اسے روٹیاں صحیح نہ پکانے اور مختلف بہانوں سے اسے بے عزت کرنے لگی تھی۔

تائی نے طعنوں میں اسے امتل کے ماضی سے آگاہ کیا۔اپنی ماں کا ماضی جان کر اسے بہت گھٹن محسوس ہونے لگی۔ پھر اکثر اسے ویشیا کی اولاد ہونے کا طعنہ دینے لگی۔ مگر اسکے دل سے اپنی ماں کی محبت ختم ہونے کی بجائے بڑھ گئ۔ کیونکہ وہ اپنے ماں کے عابد وزاہد ہونے کی آئینی شاہد تھی۔

تایا کے گھر میں تایا کے علاوہ بھی ایک انسان تھا۔جو نسرین کا بہت خیال رکھتا تھا۔وہ تایا کا بیٹا "عظیم" جو ایف۔اے کے بعد پولیس میں بھرتی ہو گیا تھا اور اب شادی کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔

اس نے نسرین کو اپنی خواہش سے آگاہ کیا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے ۔نسرین نے اسے کوئی امید نہ دلائی بس کہہ دیا کہ تایا ابا سے بات کرلو کیونکہ وہی اب میرے سرپرست ہیں۔اس نے اپنے باپ سے اپنی خواہش ظاہر کی تو عبدالغفور بہت خوش ہوئے اور فوری طور پر بیٹے کو شادی کے لیے رضامندی دی تھی۔

مگر تائی جان نے گھر میں ایسا کہرام مچایا کہ یہ رشتہ شروع ہونے سے قبل ہی وفات پا گیا۔

☆☆☆☆☆

"مجھے تم سے طلاق چاہیے، ہمایوں۔" اگلی صبح کا آغاز سمیرہ نے اس جملے سے کیا۔ وہ سفید پڑھتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

"آؤ کھانا کھاتے ہیں۔" ہمایوں نے کھوئے کھوئے انداز میں بات بدلی۔ "میں نے کہا مجھے طلاق چاہیے۔" وہ اس بار غصے سے بولی۔

"تم کیوں ایسا بول رہی ہو۔ یوں بول کر تم مجھے قتل کر دو گی۔ مار دو گی جیتے جی۔" وہ بہت افسوس سے بولا۔ "مجھے اپنا بیٹا زندہ چاہیے۔" وہ تقریباً چلائی۔

"ہم سالوں سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ہم کیسے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "محبت کچھ نہیں ہوتی۔ مگر دولت۔۔ دولت سب کچھ ہوتی ہے۔ اگر آج ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم یوں بھکاریوں کی طرح اس بے ضمیر جانور کے آگے جھولی نہ پھیلاتے"۔ وہ غصے سے چلائی۔ "تمہیں پچھتاوا ہے مجھ سے محبت کرنے پر؟" وہ بمشکل سے بول پایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"غربت میں محبتیں نہیں کی جاتی ہمایوں صاحب۔پیٹ پالے جاتے ہیں،اولاد زندہ رکھی جاتی ہے۔"اس کا گلا رندھ چکا تھا اور آنکھوں نے بہنا شروع کر دیا۔"یہ آزمائش ہے۔اور یہ صبر سے ٹل جائے گی۔پر محبت تو احساس ہے۔ہم نے بہت سے وعدے کر رکھے ہیں ایک دوسرے سے۔"

"مجھے یہ پریم کہانی نہیں سننی ہمایوں۔بس طلاق چاہیے۔پھر راحیل سے شادی کروں گی۔تاکہ وہ۔۔۔وہ میرے بیٹے کو نئی زندگی دے دے۔"اس کی بات پر ہماریوں کے دل پر ضرب لگی۔"زندگی خدا دیتا ہے کوئی بشر نہیں،سمیرا۔"وہ قلق سے بولا۔

"تو کہاں ہے خدا اور کہاں ہے اسکی دی ہوئی زندگی۔میرا بیٹا مر رہا ہے،علاج کے لیے پاس پھوٹی کوڑی نہیں اور تم مجھے اسلامیات پڑھا رہے ہو۔""خدا کے بارے میں اتنا بڑا گمان نہیں رکھتے۔اتنی مایوسی کہاں سے تمہارے اندر آگئی سمیرا"۔وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمایوں دیکھو تم بہت اچھے ہو۔تم۔۔۔تم مجھے طلاق دے دو۔میں تمہارا بہت بڑا احسان مانوں گی۔"اب وہ بہت نرم لہجے میں تقریبا بھیک مانگ رہی تھی۔

"تم مجھے زندہ درگور کر رہی ہو،سمیرا۔"ایک بے رنگ موتی ہمایوں کی آنکھوں سے ٹپکا۔

"تم ایسی تو نہیں تھی۔ تم میری محبت کو ذلیل کر رہی ہو۔" وہ چند لمحے رنج سے لب کاٹتے اسے دیکھتی رہی۔

"عورت جب ماں بن جائے تو اپنے لیے جینا چھوڑ دیتی ہے۔ میری جان اب میرے بچے میں ہے"۔ وہ پتھر آنکھیں اس پر جمائے بے جان لبوں کو حرکت دینے لگی۔ وہ چند لمحے چکا چوند اسے دیکھے گیا۔ پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ سارا دن ان دونوں کا سامنا نہیں ہوا۔ ہمایوں شام کو گھر لوٹا تو کچے برامدے میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"تم اس طرح مجھے طلاق نہیں دو گے۔" سمیرا اچانک نمودار ہوئی۔ "تم غلط کر رہی ہو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور نرمی سے بولا۔

"غلط اور صحیح اب بے معنی ہے۔ میں بس اپنے بیٹے کی زندگی چاہتی ہوں۔" وہ نظر زمین پر جمائے بولی۔ "وہ میرا بھی بیٹا ہے۔ مجھے بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ تمہیں۔ تم کچھ بھی کہو میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب جو ہو گا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" کہہ کر وہ ایک پل بھی نہ رُکی اور کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہمایوں چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اچانک سمیرا کے الفاظ دوبارہ اس کے دماغ میں گونجے۔ اسے کچھ خدشہ ہوا۔ وہ فوراً اٹھا اور تقریباً بھاگتا ہوا کمرے میں جا پہنچا۔

کمرے کا منظر واقعی ہولناک تھا۔ سمیرا ہاتھ میں گندم کی گولیاں پکڑے کھڑی تھی۔ جبکہ بچہ بیڈ پر پڑا رو رہا تھا۔

"ایسا مت کرنا۔۔" ہمایوں نے بھاگتے ہوئے سمیرہ کے ہاتھ سے زہریلی گولیاں چھین کر زمین پر پھینکی۔ "مرنے کیوں نہیں دیا مجھے۔" وہ آنسو گراتی ہوئی چلائی۔ ہمایوں کے دل میں ایک طوفان اُٹھ گیا۔ اس کا وجود کپکپا رہا تھا۔

"تم۔۔۔" وہ کچھ بولنا چاہ رہا تھا۔ لیکن خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرے۔ وہ اس کی بات کی منتظر رہی اور ہمایوں نے منہ سی لیا۔

"تم سمجھتے نہیں میں اپنے بچے کے بغیر مر جاؤں گی۔ خدا کا واسطہ یہ میرے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھو۔ مجھے آزاد کر دو۔ مجھے اپنے بیٹے کی میت نہیں دیکھنی۔ اسے سلامت دیکھنا ہے۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے بے بسی سے آنسو گرا رہی تھی۔ وہ اس کی بات کا جواب دیئے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بغیر اپنے بیٹے کے پاس بیٹھ گیا۔ سمیرا کی جانب اس کی پشت تھی۔اس نے بیٹے کو گود میں لیا اور اس کو چومنے لگا۔

وہ جانتی تھی کہ ہمایوں رو رہا تھا۔ مگر وہ اسے دیکھے کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔ سو وہ فٹافٹ کمرے سے باہر چلی گئی۔اگلے روز وہ گھر میں بنے نیم کے درخت کے قریب زمین پر بیٹھی تھی۔وہ بچے کو گود میں سلا رہی تھی۔اور کچھ خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔اس نے اپنے کندھے پر نرم تھپکی محسوس کی۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ پیچھے کھانا لیے کھڑا تھا۔ سمیرا نے واپس منہ موڑ لیا۔

"تمہیں یاد ہے سمیرا،ایک مرتبہ تمہاری گڑیا کھو گئی تھی۔وہی جو ماں نے کپڑے میں روئی ڈال کر سلائی کی تھی۔"ہمایوں نے اس کے سامنے کھانا رکھا اور پاس بیٹھ گیا۔جبکہ سمیرا نے جواب نہ دیا۔وہ بس پتھر بنی بیٹھی رہی۔

"تب بھی تم ایسے ہی مایوس تھی اور میں نے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو۔پھر تم نے دعا کی۔دعا سے چند گھنٹوں بعد ہی تمہاری گڑیا مل گئی تھی۔"وہ روٹی کا لقمہ اس کے منہ کے قریب کرتے ہوئے بولا۔

"ہمایوں وہ بے جان گڑیا تھی۔ ہمارا بچہ جاندار ہے۔ گڑیا نہ بھی ملتی خیر تھی۔ پر میرا بچہ۔۔"
اس کی آنکھوں اور آواز میں کئی شکوے تھے۔ جبکہ ہمایوں نظریں چرا رہا تھا۔ سمیرا نے لقمہ ہاتھ سے پرے دھکیل دیا۔

"ہمارے مالی حالات سب تمہارے سامنے ہیں۔ ہم اپنے بچے کا علاج نہیں کروا سکتے۔ مگر اللہ پر ایمان رکھ کر دعا کر سکتے ہیں۔" بے بسی اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔

"اسی لیے کہا ہے کہ مجھے چھوڑ دو۔ وہ کمینہ بہت امیر ہے۔ اگر اس کی گھٹیا خواہش کے بدلے میرا بیٹا ٹھیک ہوتا ہے تو ہمیں اور کیا چاہیے۔ اس لیے خدا کا واسطہ مجھے طلاق دے دو۔"

"زندگی بہت طویل ہے سمیرا۔ میں کیسے تمہارے بغیر۔۔۔" الفاظ ہمایوں کے منہ میں ہی دم توڑ گئے۔

"کل زہر کھانے میں ناکام ہو گئی تھی۔ مگر یاد رکھنا اگلی بار ناکام نہیں ہوں گی۔" اس کی آنکھوں کی وحشت اور انداز سے الفاظ کی صداقت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ ہمایوں کو اچانک اس سے خوف آنے لگا۔

☆☆☆☆☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سلمہ محل وہ دلکش مقام ہے جہاں سالوں سے رونق جاری تھی۔ مگر اب سلمہ بیگم کی ہڈیوں کی طرح اس کوٹھے کی دیواریں بھی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ضعیف ہوتی جا رہی تھیں۔ کبھی اس کوٹھے پر راجہ مہاراجہ کے لیے رقص اور غزل گوئی کی جاتی تھی۔ لیکن وقت نے یوں پلٹی کھائی کہ اب شاید ہی کوئی نواب یا جاگیر دار اس کوٹھے کی دہلیز پر قدم دھرتا تھا۔ وقت، وقت کی بات ہے بس۔

لکڑی کی بے حال کھڑکی سے عمر رسیدہ عمارت سے اندر جھانکیں تو کم عمر طوائفیں مختلف رنگوں کے لباس پہنے ایک دائرے کی شکل میں جھوم رہی تھیں۔

جبکہ کوتاہ کامت استاد جبران انہیں رقص سکھا رہے تھے۔ عمارت مضبوط ستونوں پر کھڑی تھی۔

اب ان ستونوں کی رہنمائی میں ایک طوائف کے کمرے کی جانب روانہ ہوتے ہیں۔ جو سالوں سے "غلاف ہجر" میں لپٹی ہے۔ وہ نرم و ملائم بستر پر کچھ یوں لیٹی تھی کہ اس کے کھلے لمبے بال بیڈ سے کسی آبشار کی طرح گرتے ہوئے زمین کو چھو رہے تھے۔

وہ ہاتھ میں شاعری کی کتاب تھامے ہوئے تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ستارہ تم بھی حد کرتی ہو لاپرواہی کی۔ناشتہ تو وقت پر کر لیا کرو۔تم جانتی ہو سلمہ بیگم کے مزاج کو۔ صبح دس بجتے ہی کھانے پر پابندی لگا دیتی ہیں۔پھر پابندیِ وقت پر گیان بانٹنے لگتی ہیں۔" یہ شبنم تھی۔ستارہ کی ہمدرد اور دوست۔

"آج میں ناشتہ نہیں کر پاؤں گی شبنم۔بلکہ اس وقت تک ایک نوالا بھی میرے حلق سے نہیں اُترے گا جب تک میں یہ مقابلہ نہ جیت جاؤں۔" وہ کتاب پر نظر جمائے بولی۔

"ستارہ مت کرو جاناں۔یہ تو بچے بچے کو علم ہے کہ شاعری میں تمہیں ہرانا اور چاند سے داغ مٹانا برابر ہے۔" وہ فکر مندی کے باعث اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"پھر بھی میں ہار کا خطرہ مول نہیں لے سکتی اور۔۔۔" ستارنے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اور؟۔۔۔" شبنم نے کنکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کی تکمیل چاہی۔

"اور نہ ہی انعام کو ہاتھ سے جانے دوں گی۔سو تم بھی جاؤ اور مجھے تیاری کرنے دو۔" ستارہ اب اٹھ بیٹھی۔"اس بار انعام کا کیا کرو گی؟" شبنم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال داغا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہی جو گزشتہ پندرہ انعامات کا کیا تھا۔"اب وہ شان بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔اور پھر چلتی ہوئی الماری کے پاس جا پہنچی۔"ستارہ تم کیوں۔۔۔؟"وہ ابھی بات کر ہی رہی تھی کہ ستارہ نے پلٹ کر اس کی جانب برف نظروں سے دیکھا اور بولی۔

"ابھی مجھے اس بارے میں کچھ نہیں کہنا شبنم۔اب تم جاؤ مجھے سنگھار بھی کرنا ہے۔"اچانک ایک انجان غم کی رمق اس کے رخ پر واضح ہوئی۔

چند لمحے شبنم اسے ناراضگی سے دیکھتی رہی۔پھر غصے سے پیر پٹختی باہر روانہ ہو گئی۔ٹھیک تین گھنٹے بعد وہ رقص گاہ میں ایک سرخ قالین پر ایک خاص ادا سے بیٹھی تھی۔اس کی سنہری فراک کا بڑا گھیرا اس کے گرد قالین پر پھیلایا گیا تھا۔

"کہ دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں،دیکھنا یہ ہے، کھینچتا ہے، مجھ پہ پہلا تیر کون"

ستارہ کا یہ آخری شعر اور اس شعر کے بعد "واہ واہ" کے ترانوں نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ انعام کا حقدار کون ہے؟

"ستارہ کے ستاروں سے کبھی مت الجھنا۔" ایک نواب نے بلند آواز میں کہا جو کہ ستارہ کا پرستار تھا، تو حال میں بلند قہقہ گونجا۔ وہاں نواب ارد گرد نشستوں پر بیٹھے حقے کے کش لیتے داد دے رہے تھے۔ جیت کے فوراً بعد ستارہ کے پاس ایک کام تھا جو وہ گزشتہ کئی برسوں سے اپنی جیت پر کرتی آئی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آداب۔۔" وہ ہاتھ سے سب کو اشارہ کرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہ پیلی روشنی والا بلب جلائے، بیڈ پر ایک کورا کاغذ رکھے، اپنے جذبات کو الفاظ کی صورت اس کورے کاغذ پر ثبت کر رہی تھی۔

خط

"تمہیں جان کہوں؟ یا جہان کہوں؟ کہنے کو ایسے ہزاروں الفاظ ہیں جو روح کو چھو لیں۔ مگر کوئی لفظ اس احساس کو بیان نہ کر پائے جو تیرا نام لینے پر دل میں شور برپا کر دیتا ہے۔ تمہارے واسطے دنیا آگ میں جھونکی جا سکتی ہے۔ جیسے میں آج خود جل کر راکھ ہو چکی ہوں۔ صرف ایک بار۔۔۔ ایک بار تو ملنے آ سکتے ہو ناں۔ اگر ملنا نہیں تو کم از کم اس پانچ ہزار چار سو پچیسویں خط کا جواب تو دے سکتے ہو ناں۔ ہزاروں دیے جلاؤں گی تیری آمد پر۔ میری بس ایک چاہ

ہے، کہ مجھے کبھی طوائف مت کہنا۔ تم میری کل کائنات ہو۔ اگر تم بھی اس مظلوم عورت کو طوائف کہہ جاؤ گے تو میرا باقی بچے گا کیا اس دنیا میں۔"

وہ جانتی تھی کہ اس خط کا جواب بھی گزشتہ پانچ ہزار چار سو چوبیس خطوط کی طرح کبھی نہیں آئے گا۔ مگر اس نے کبھی ہار نہیں مانی تھی۔ یا پھر وہ ڈھیٹ بن چکی تھی۔ اسے اب بے عزتی بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

جس روز وہ خط نہ لکھتی اس روز وہ بیمار پڑ جاتی۔ تو اتنے سالوں میں شاید ہی کوئی ایسا روز آیا ہو گا جس روز اس نے خط نہ تحریر کیا ہو۔ ایک آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر گالوں سے بہتا ہوا کاغذ پر جا گرا۔

"ستارہ کچھ لوگوں کے دل پتھر سے زیادہ سخت اور رات سے زیادہ تاریک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ آپ کے غم پر غمگیں ہونگے نہ میت پر رنجیدہ۔ یوں سمجھو کہ انہیں آپ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔" شبنم جو کہ اسے خط لکھتے دیکھے اسکی جانب آئی، کھوئے کھوئے انداز میں اسے سمجھا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باقی لوگوں کے بارے میں یہ سب کہا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے۔۔۔اس کے لیے تو یہ سوچنا بھی حرام لگتا ہے۔"اب وہ ورق کو مسکراتے ہوئے لپیٹ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔وہ ایک دن ضرور آئے گا۔اور۔۔۔اور تم دیکھنا،اسے دیکھتے ہی یہ مری ہوئی ستارہ کی جان میں جان آجائے گی۔"اب وہ طے شدہ ورق کو لفافے میں ڈال رہی تھی۔

"کیوں ہر بار اس پر یقین کر لیتی ہو اور وہ ہر بار تمہیں تمہارے یقین سمیت کرچی کرچی کر دیتا ہے۔پھر سارا دن کمرے میں بند رہتی ہو۔مگر ڈھیٹ اتنی ہو کہ اسے خط لکھنا پھر نہیں چھوڑتی۔"شبنم حزن اور طیش کی ملی جلی کیفیات میں بولی۔

"تم کبھی نہیں سمجھو گی شبنم۔کبھی نہیں۔"ہر بار کی طرح اس بار بھی ستارہ نے اس جملے پر بات کا اختتام کر دیا اور لفافہ ہاتھ میں تھامے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

آج وہ اولاد کی خاطر طلاق لے چکی تھی۔وہ عورت جسے ماں کا کردار بخوبی نبھانا ہے۔وہ دلہن کے جوڑے میں لپٹی میت بنی بیٹھی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسے ہمایوں سے طلاق لیے چار ماہ گزر چکے تھے۔ طلاق کی بات پر خالہ نے خوب آہ وبکاہ کی مگر بے سود رہا۔ اس دن سے آج تک سمیرہ کا ہمایوں سے سامنا نہیں ہو پایا۔ وہ اس کے جاگنے سے پہلے ہی گھر سے نکل جاتا اور اس کے سونے کے بعد گھر لوٹتا۔

ہمایوں اب گھر میں موجود دوسرے کمرے میں رہتا تھا جہاں خالہ کی ساس کبھی رہا کرتی تھیں۔ وہ گھر بس سونے کے لیے آتا تھا۔ خالہ کو بس صبر آنے ہی والا تھا کہ سمیرا اور راحیل کی شادی نے ماتم کو چار چاند لگا دیے۔ ان تین ماہ میں خالہ نے ناراضگی کے باوجود بھی سمیرہ کا خیال رکھا۔ کیونکہ وہ خود کا خیال رکھنا بھول چکی تھی۔

اچانک سے ڈھول پیٹنے کی آواز شروع ہو گئی۔ آواز اس کے کانوں میں صور کی طرح اثر کرنے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کانوں پر جما لیے۔ وہ گزشتہ رات سے ایک ہی کشمکش میں تھی۔ وہی بات دوبارہ اس کے دماغ میں گونجنے لگی۔ وہ بنا کچھ سوچے سمجھے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچے فرش پر قدم جماتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ جس راہ پر وہ جانا چاہتی تھی وہ خود ہی بند کر چکی تھی۔

"میں جیتے جی مرنے جا رہی ہوں، مرنے سے قبل کم از کم ایک بار تو جی لینا چاہیے۔" وہ ہمایوں کے کمرے کی جانب قدم بڑھاتی سوچ رہی تھی۔ "آخری بار اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اندھیرے میں گمشدگی سے قبل روشنی کی ایک کرن تو میرا مقدر ہونی چاہیے ناں۔" وہ اس کمرے کے خستہ حال دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس دلہن نے مہندی والے ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹانا چاہے۔ اچانک اس کا ہاتھ فضا میں ٹھہر گیا۔

چند لمحے وہ بس سر جھکائے کھڑی رہی۔ "میری روشنی مجھے ملنی چاہیے۔" سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ دروازے کے قریب کیا۔ اس نے ہاتھ سے دروازہ دھکیلا تو دروازہ کھل گیا۔ دوسری طرف ڈھول کی آواز میں شدت آگئی۔ بارات بیرونی دروازہ عبور کر کے گھر میں داخل ہو گئی۔

راحیل کی یہ ضد تھی کہ وہ اسی گھر سے سمیرا کو رخصت کر کے لے جائے گا۔ تاکہ وہ سمیرا اور باقی گھر والوں کی تکلیف بڑھا سکے۔ راحیل کے ساتھ باراتیوں میں صرف ڈھولک والے اور ایک عدد نکاح خواں آئے تھے۔ خالہ جان نے جیسے ہی گھر میں بارات دیکھی تو آنسو ان کی پلکوں سے گرنے لگے۔ وہ منہ پر دوپٹہ رکھے روتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اپنے

لاڈلے بیٹے کی محبت اور بیاہتا بہو کی کسی اور سے شادی وہ کیسے دیکھ سکتی تھی۔ سمیرا کمرے میں داخل ہوئی۔ تو وہ دوسری جانب رخ کیے کرسی پر براجمان تھا۔

"جانتی ہوں میرا یہ گناہ تو خدا بھی نہیں بخشے گا۔ تم تو پھر اس کے بندے ہو۔" وہ دلہن سر جھکائے اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

"اس لیے میں معافی نہیں مانگنے آئی۔ میں بس آخری بار۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر لب کاٹے۔ آنسو رخسار پر گرنے لگے۔

"تم مجھے بھول جانا۔ میں۔۔۔۔ میں کوئی اچھی لڑکی نہیں ہوں۔ میں قابل نفرت ہوں ۔ تم۔۔۔۔ تم مجھے کبھی یاد نہ کرنا۔ کبھی نہیں۔" کہتے ہوئے رونے لگی۔ جبکہ ہمائیوں نے جواب بھی نہ دیا۔

"تم شادی کر لینا۔ دیکھنا تمہیں تمہاری طرح صابر و شاکر اور باوفا لڑکی ملے گی۔ وہ تمہارا بہت خیال رکھے گی۔ وہ خالہ کا بھی بہت خیال رکھے گی۔ میں۔۔۔ میں بری لڑکی ہوں۔ میں تمہارے چاند جیسے مقدر پر داغ ہوں۔" وہ ابھی چُپ چاپ دوسری جانب رخ کر کے بیٹھا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھا۔وہ چند لمحے یونہی کھڑے روتی رہی۔پھر واپسی کے لیے پلٹی۔نہ وہ جانے کسی خیال کے تحت رک گئی۔

"محبت میں قبلوں کی ادلہ بدلی نہیں ہوتی۔میری محبت کا قبلہ تم ہو۔"اچانک سے بادل گرجنے کی آواز آئی۔تو اس کی نظر کمرے کی چھت پر پڑی۔جو کہ چھ ماہ قبل کہگل سے لیپ کی گئی تھی۔حسبِ معمول اس سے بارش کے سبب پانی ٹپکنے لگا۔"آج وہ واحد قبلا بھی چھوڑ دوں گی۔آج میں موت کی پہلی سیڑھی پار کر چکی ہوں۔بس اب اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔اس دنیا میں اب اور نہیں رک سکتی۔"وہ کھوئے کھوئے انداز میں پلٹی اور بے جان قدموں کو گھسیٹ کر چلنے لگی۔پھر دوبارہ رک گئی۔ایک جان لیوا خدشے نے اس کے قدم ہمالیہ کی برف تلے دفن کر دیے۔

سمیرا نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا۔ہمایوں کا رخ ابھی بھی دوسری جانب تھا۔اس نے اب تک کوئی حرکت ہی نہیں کی تھی۔

Clubb of Quality Content

"ہمایوں۔۔"وہ ہمایوں کے قریب جا پہنچی۔ سمیرا کی چیخیں بلند ہوئیں۔"اٹھو ہمایوں۔۔۔ اٹھو۔۔"ہمایوں کی آنکھیں بند تھی۔ جبکہ اس کے گود میں سمیرا کی چُنری تھی۔ یہ منظر دیکھ کر سمیرا کی جان نکل رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سلسلہ ایک توڑ گیا وہ، سر راہ ہمیں چھوڑ گیا وہ

اب ماتم کناں سے بیٹھے ہیں، دل میں ایک خلش سی چھوڑ گیا وہ

جبر مسلسل خود پر کیے بیٹھے ہیں، یہ کیسی کیفیت میں چھوڑ گیا وہ

اس کے ہجر کے مارے بیٹھے ہیں، دل کو منتظر سا چھوڑ گیا وہ

(از قلم: ماہ نور رشید☜)

سمیرا چلا رہی تھی، جب کہ باہر ڈھول کی آواز کے سبب کوئی سن نہیں رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کمرے سے باہر نکلی۔ برآمدے میں بھاگتے ہوئے ایک ڈھول والے سے ٹکرائی اور منہ کے بل زمین پر جا گری۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ وہ اُٹھی اور دوبارہ خالہ کے کمرے کی جانب بھاگنے لگی تھی۔ راحیل دلھا بنا اس کچے آنگن میں کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈھولک رک چکا تھا۔ ہر طرف موت کا سناٹا چھا گیا تھا۔ اس کی آواز پر خالہ کمرے سے باہر آئی۔ "کیا ہوا ہے میرے ہمایوں کو۔" اس کی آواز پر خالہ تیزی سے کمرے سے باہر آئیں۔ "وہ ہمایوں۔۔۔" وہ جملہ مکمل نہیں کر پا رہی تھی۔ خالہ اسے راستے سے ہٹاتے ہوئے ہمایوں کے کمرے کی جانب بڑھیں۔ سمیرا بھی ان کے پیچھے بھاگنے لگی کہ راحیل نے اس کی کلائی پر گرفت جمالی۔

"تم نہیں جا سکتی۔۔۔" وہ غصے سے اسے مخاطب تھا۔ "وہ مر جائے گا، مجھے اس کے پاس جانا ہے۔۔۔ وہ مر جائے گا۔" وہ تڑپتی ہوئی اپنا بازو چھڑا رہی تھی۔ اچانک سے بادل گرجے اور بارش شروع ہو گئی۔

Clubb of Quality Content

"اوئے ہمایوں۔میرے پتر تجھے کیا ہو گیا ہے۔اٹھ ہمایوں۔"خالہ کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔"چھوڑو میرا ہاتھ حبیث انسان۔۔"سمیرا ابھی بول ہی رہی تھی کہ راحیل نے زوردار تماچہ اس کے چہرے پر رسید کیا۔

"نکاح خواں آپ میرے ساتھ آئیں۔تم سب جاؤ۔تمہارا کام مکمل ہوا۔۔"راحیل نے ڈھولک والوں کو جانے کا کہا۔"اور تم۔۔"پھر وہ نفرت اُگلتی نگاہیں اس پر ٹکائے بولا۔

"ہمایوں تو آج پکا مرے گا۔اس کا مرنا بنتا بھی ہے،آخر اس کی محبوب بیوی۔۔۔آآ۔۔اسکی محبوب مطلقہ کسی اور سے بیاہی جا رہی ہے۔"اور اس کے بعد اس کا قہقہہ اس کچے مکان میں گونجا۔

سمیرہ کو اسکی ہر ادا سے گِھن آ رہی تھی۔بارش گزرتے وقت کے ساتھ تیز ہو رہی تھی۔جس کے باعث سمیرا کا سرخ جوڑا بھیگنے لگا۔

"خدا کے لیے کل شادی کر لینا۔ابھی مجھے اس کے پاس جانے دو۔۔"

"شادی ابھی کے ابھی ہو گی، چلو سب لوگ اس نے سب کو کہا اور سمیرا کا بازو کھینچنے لگا۔

"خدا کا واسطہ مت کرو۔ وہ مر جائے گا۔ مجھے دو روز کی مہلت دے دو"۔ وہ صدائیں بلند کر رہی تھی۔ لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی نہ آیا۔

"ہمایوں تم نہیں جا سکتے"۔ راحیل اسے زمین پر گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔ وہ تھی کہ چہرے کا رخ ہمایوں کے کمرے کی جانب کیے رو رہی تھی۔ "ہمایوں، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، اگر تم چلے گئے۔" وہ اس کے کمرے کے خستہ حال دروازے کو دیکھتے ہوئے چلا رہی تھی۔ زمین پر گھسیٹے جانے کے باعث اس کا دوپٹہ پھٹ چکا تھا۔ اور کپڑوں پر بھی کچے آنگن کی مٹی لگ چکی تھی۔

راحیل کو سمیرا سے تب محبت ہوئی جب وہ ہمایوں کے ساتھ میلے سے گھر لوٹی۔ وہ سیاہ شلوار قمیص زیب تن کیے، کان میں چاندی رنگ کی بُندھے پہنے اور سر کو بڑی سی سنہری چادر سے ڈھکے گھر میں داخل ہوئی۔ وہ ہمایوں کے ساتھ کسی بات پر ہنستی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کی ہنسی میں بہت کشش تھی جس نے راحیل کو اپنا اسیر کیا۔

لیکن اس روز اسے ہمایوں سے اتنی ہی نفرت محسوس ہوئی۔ کیونکہ وہ ہمایوں کی منگیتر تھی۔ وہ دونوں زندگی کے بہاروں خزاں ایک ساتھ دیکھنے کو بہت بے قرار تھے۔

راحیل ہمایوں کا تایازاد تھا۔ جو کہ دس سال قبل شہر میں منتقل ہو گئے تھے۔ راحیل ایک ذہین انسان تھا اور مغرور بھی۔ اسے گاؤں کے لوگ اور کچے مکان ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ اور جو اسے بھایا تھا، وہ کسی اور کے آنگن کا دِیا تھا۔

اس نے واپس شہر پہنچ کر گھر میں کافی ہنگامے کے بعد آخر اپنے ماں باپ کو راضی کیا کہ بس میرا رشتہ لے کر گاؤں جائیں۔ ہمایوں راحیل کی سمیرا سے محبت، پھر رشتہ بھیجنا اس سب سے بے خبر تھا۔ وہ راحیل کی بہت عزت کرتا تھا۔ کیونکہ ہمایوں کے علاوہ پورے خاندان میں ایک ہی لڑکا تھا۔ ہمایوں کے والد دو بھائی تھے۔ جن کی کوئی بہن نہ تھی ان دونوں بھائیوں کی اولاد صرف ایک، ایک بیٹا تھی۔ سو ہمایوں اپنے واحد کزن کو بڑے بھائی کی طرح سمجھتا تھا۔ حالانکہ راحیل ہر بار گاؤں آنے پر کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر دیتا۔ جو ہمایوں کو حقیر ثابت کرتی اور اسے بہتر۔ لیکن ہمایوں نے کبھی ایسی بیکار باتوں پر اپنا دل نہیں میلا کیا۔

وہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔دو دن پہلے ٹوٹی قیامت میں گم تھی۔راحیل نے اس سے شادی کرلی تھی۔نکاح سے پہلے سمیرا نے بہت منتیں کیں۔واسطے دیے کہ "ہمایوں کے پاس جانے دو، صرف ایک روز۔ایک روز اس شادی میں تاخیر کرلو۔"لیکن بجائے اس کی بات ماننے کے راحیل نے اسے بیلٹ سے پیٹنا شروع کر دیا،اس کے ماتھے اور گالوں پر نیل پڑ چکے تھے۔پھر بھی ہمایوں کا نام پکارتی رہی۔

جب نکاح ہو گیا تو ایک دم خاموش ہو گئی۔نکاح راحیل کے دوسرے گھر میں ہوا۔جو اس نے کرائے پہ دے رکھا تھا۔لیکن شادی کے وقت اب خالی کروالیا گیا تھا۔آج وہ آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے جسم پر لگے زخموں پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔

گزشتہ دو دنوں میں اس نے کئی بار خودکشی کرنے کا سوچا، لیکن ہر بار اسے اپنے بچے کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔"تمہارے بیٹے کا علاج ہو رہا ہے، پچھلے تین ماہ سے وہ بابا کے ساتھ امریکہ میں ہے۔اب وہ بہتر ہے۔اس کا دل ٹرانسپلانٹ کر دیا گیا ہے۔"وہ حاکمانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"وہ کب تک ٹھیک ہو گا؟" سمیرا مشکل سے پوچھ پائی۔ "وہ جب بھی ٹھیک ہو، لیکن تمہیں اس کے ٹھیک ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔" اس کی سفاکی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ دبے دبے طیش سے بولی۔ "فکر مت کرو جاناں۔ وہ اب میرے ساتھ رہے گا، اور اچھی زندگی گزارے گا۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم میرے بچے کو مجھ سے دور نہیں رکھ سکتے۔" وہ دانت چباتے ہوئے بولی۔ راحیل کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا۔

"میں کل رات یہی سوچ رہا تھا کہ تمہاری اذیت کو چار چاند کیسے لگاؤ۔ پھر ایک شاندار منصوبہ میرے ذہن میں آیا۔ وہ یہ کہ تمہارا بچہ اپنے پاس رکھ لیا جائے اور تمہیں۔۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر کمینگی سے مسکرایا۔

"میں تمہیں اپنا بچہ نہیں دوں گی۔ علاج کے بعد وہ میرے پاس رہے گا۔" وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔" اس نے یوں بتایا جیسے کہ وہ اخبار سے کوئی انجان واقعہ سنا رہا ہو۔ وہ چند لمحے حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟" سمیرا کو اس کی بات پر یقین ہی نہیں آیا۔

"ہاں میں نے طلاق کے کاغذات الماری میں رکھے ہیں۔ تم بھی ان پر دستخط۔۔۔۔ آآآ۔۔ نہیں، نہیں۔ تم ان پر انگوٹھا لگا دینا۔ انگوٹھا چھاپ، دیہاتی گنوار۔" وہ ذلیل مسکراہٹ چہرے پر لیے اسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ جب کہ وہ اچانک ایک سکون محسوس کرنے لگی۔

"میں اپنا بیٹا تم سے چھین کر رہوں گی۔" اب وہ قدرے مضبوطی سے۔ کیونکہ اسے آزادی کی نوید مل چکی تھی۔ کیا وہ واقعی آزاد ہو چکی تھی؟ خیر۔ قسمت اب اتنی بھی مہربان نہیں ہوئی۔

"میں نے سوچا کہ میرے طلاق دینے کے بعد تم بے سہارا، یتیم، مسکین اور کنگال اور نہ جانے کن کن سے القابات سے نوازی جاؤ گی۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ تم جاؤ گی کہاں؟" کہتے ہوئے اس نے ڈریسنگ مرر کے سامنے سے پرفیوم اٹھائی۔ پھر اپنے لباس پر چھڑکاؤ کرنے لگا

"میں واپس گاؤں جاؤں گی اور اپنا بچہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

۔۔"وہ ابھی بول ہی رہی تھی کہ اس نے اس کی بات کاٹی۔"بچے کا نام بھی نہیں لینا اور گاؤں ۔۔گاؤں کا نام تم بالکل ہی بھول جاؤ۔"وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے لیے میں نے بندوبست کر دیا ہے۔ایک خاص جگہ پر تمہیں لے جاؤں گا۔جہاں اپنا کام دھندا شروع کرنا۔کام دھندا سمجھتی ہو؟"وہ اداکاری کرتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔یہ سن کر سمیرا کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔اس نے زوردار تماچہ راحیل کے چہرے پر رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا۔

"اپنی ماں کو بھی ساتھ بھیج دینا۔خاصی ترقی دیں گی تمہیں۔"سمیرا نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔وہ اس بات کے جواب میں مخفی سا مسکرا دیا۔پھر اُس نے اپنی بیلٹ سے اسے دوبارہ پیٹنا شروع کر دیا۔وہ ڈھیٹ بن کر مار کھاتی رہی۔

☆☆☆☆☆

ایک روز نسرین تایا ابا کو دکان پر دوپہر کا کھانا دینے گئی۔دکان گھر کے قریب ہی تھی۔تو وہاں ایک درمیانی عمر کے آدمی سے اس کا سامنا ہوا۔وہ شخص بار بار تایا سے نسرین کے بارے میں پوچھنے لگا۔اگلے ہی روز وہ آدمی تایا ابا کے گھر آ پہنچا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ کچن میں چُپ چاپ کھانا پکاتی رہی۔تائی جان بڑے غصے سے کچن میں داخل ہوئیں۔پھر اسے کھری کھوٹی سنانے لگی۔وہ نہیں جانتی تھی کہ کس وجہ سے وہ بے عزت ہو رہی ہے۔ پھر آخر میں نسرین سے کہا کہ وہ کھانا لے کر مہمانوں کے سامنے آئے۔اس روز اس کا رشتہ طے ہو گیا۔لڑکا کافی اونچے گھر آنے کا تھا۔اسے بعد میں علم ہوا کہ وہ آدمی جو تایا سے اس کے بارے میں بہت گفتگو کر رہا تھا۔وہ نسرین کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کر چکا تھا۔

چند روز بعد سادگی سے وہ بیاہ کر اپنے گھر کی ہو گئی۔

"تم میرے باپ کی پسند ہو۔اس لیے تمہیں اس گھر میں کوئی تنگی نہیں ہو گی۔"وہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔جب اس کا،شوہر بے رُخی دکھاتے گویا ہوا۔"میں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا۔پر تم میرے کسی کام میں کبھی دخل مت دینا۔"اس نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے نسرین کا گھونگھٹ اٹھایا۔

اگلے روز وہ وقت پر اٹھ کر اس کے محل جیسے گھر کے کچن میں جا پہنچی۔اس نے ناشتہ بنایا اور اپنے کمرے کی جانب روانہ ہوئی۔

"وہ عورت جتنا تڑپے گی تمہیں اتنا زیادہ مال ملے گا سلمہ بیگم۔اسے گھنگرو پہنا کر پورے شہر میں نچاؤ۔مشہور طوائف بنا دو اسے۔"وہ ہال میں لگے لینڈ لائن فون پر طیش سے بات کر رہا تھا۔

"راحیل کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا؟"وہ ناشتہ راحیل کے قریب رکھتی ہوئی صوفہ پر بیٹھ گئی۔وہ چند لمحے غصے سے اسے دیکھتے رہا"۔آئندہ میرے معاملات سے دور رہنا اور اس طرح چھپ چھپ کر اگر میری جاسوسی کی،تو اچھا نہیں ہو گا۔"وہ اچانک ہی اس کی کلائی مڑوڑتے ہوئے گویا ہوا جبکہ نسرین حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

نسرین نے اس روز کے بعد راحیل سے زیادہ بات نہیں کی،راحیل بھی سارا دن آفس میں مصروف رہتا اور رات دیر سے گھر لوٹتا۔

شادی کے پہلے ہی ہفتے دونوں کے درمیان خاموشی کی دیوار حائل ہو گئی۔راحیل ڈاکٹر تو تھا ہی،مگر اب اپنے باپ کی اچانک موت کے بعد اس نے باپ کا کاروبار بھی سنبھال لیا۔

شادی کے ایک سال بعد نسرین نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔اچانک اس کا خزاں بہار میں بدل گیا۔اب اسے باتیں کرنے اور غم بانٹنے کو کوئی مل گیا تھا۔اس کا بیٹا"ارحم"اس کی واحد خوشی

تھا۔راحیل بھی اپنے بیٹے کی پیدائش پر خوش تھا۔اب وہ نسرین کے پاس بیٹھنے لگا تھا۔آہستہ آہستہ وہ اس سے بات کرنے لگا تھا۔ مگر بات وہ صرف اپنے بیٹے کے حوالے سے کرتا تھا۔

پھر ایک دن راحیل ایک دو سال کے بچے کو ساتھ لے کر گھر آیا۔ نسرین کے پوچھنے پر راحیل نے بتایا کہ حدید اس کی پہلی بیوی سمیرا کا بیٹا ہے۔ نسرین کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔ راحیل نے مزید بتایا کہ پہلی بیوی کی وفات کے بعد وہ اسے اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ آیا تھا ۔راحیل پہلے سے شادی شدہ تھا

اور اب نسرین اس کی دوسری بیوی تھی۔اس بات نے نسرین کو گہری چوٹ دی۔اس نے کوئی گلہ نہیں کیا۔وہ جانتی تھی کہ وہ بن ماں باپ کے ایک عورت کیا ہی کر سکے گی۔ مگر اسنے خود پر خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔دوسری بیوی بننا اسے بُرا نہیں لگا تھا۔اسے راحیل کے جھوٹ نے تکلیف دی تھی۔

چند روز میں وہ دوبارہ نارمل ہو گئی۔ پھر ارحم کے ساتھ حدید کا بھی خیال رکھنے لگی۔

اس نے غور کیا کہ راحیل حدید کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔ جبکہ حدید ہر بار اپنی ننھی ننھی شرارتوں سے راحیل کو اپنی جانب متوجہ کرنے لگا۔راحیل جب بھی گھر میں موجود ہوتا تو

حدید اس کے ارد گرد چکر کاٹتا رہتا۔اور اپنی توتلی زبان سے اس سے باتیں کرتا رہتا۔آہستہ آہستہ راحیل نے بھی اس کی اور اپنے درمیان موجود دیوار گرادی اور اس سے لاڈ پیار کرنے لگا۔پھر حدید ضد کرنے لگا کہ وہ راحیل کے ساتھ سوئے گا۔راحیل اس ننھے حدید کو انکار نہ کر پایا۔پھر وہ رات سونے سے قبل راحیل سے کہانی سننے کی ضد بھی کرتا۔راحیل اسے بہت پیار سے عمر عیار اور ٹارزن وغیرہ کی کہانیاں سناتا رہتا۔یوں وہ دونوں ایک دوسرے کے عادی ہو گئے۔

راحیل کی غیر موجودگی میں حدید زیادہ تر ارحم کے پاس بیٹھا کھیلتا رہتا۔تین سال بعد دونوں بچے آہستہ آہستہ گھر کو جنت بنانے لگے۔وہ دن بھر لان میں کھیلتے رہتے۔"موم پلیز آپ بھی آجائیں۔"اب حدید نسرین کے ساتھ بھی گھل مل گیا تھا۔اچانک ہی زندگی میں اسے بہار محسوس ہونے لگی۔نسرین آج کل بہت خوش تھی۔کیونکہ راحیل نے وقت پر گھر آنا جانا شروع کر دیا۔اب وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنے بیٹوں کو دیتا تھا۔یہ محض ایک سناٹا تھا۔طوفان سے پہلے کا سناٹا۔

طوفان اس روز آیا۔ جب راحیل اور نسرین بچوں کے ہمراہ نسرین کے تایا عبدالغفور کے ہاں دعوت پر گئے تھے۔ وہ ان تین سالوں میں پہلی بار اس کے ساتھ اس کی ماں کے گھر گیا تھا۔ تایا ابا عبدالغفور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اسے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مگر تائی جان کے مزاج میں رتی برابر فرق نہ آیا۔ تائی جان بس راحیل سے اچھے سے بات کر رہی تھیں۔ نسرین کو وہ محض "چاپلوسی" معلوم ہو رہی تھی۔

وہ اندر ہی اندر تائی کی راحیل کے لیے مٹھاس دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔ گھر واپسی پر راحیل کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔ نسرین نے بات کرنے کی سعی کی تو اس نے جواب نہ دیا۔ بس غصے سے تیز رفتاری میں گاڑی ڈرائیو کرتا رہا"۔ بچوں کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر فوراً سٹڈی میں آؤ"۔ وہ گھر پہنچ کر آتش آمیز لہجے میں بولا۔ خود سٹڈی کی جانب چل دیا۔ جبکہ نسرین یہ سوچتی رہے کہ آخر بات کیا ہے۔

"ایسی کیا آفت آن پڑی کہ راحیل اس قدر برہم ہے۔" وہ بچوں کو بستر پر لٹائے اس کے پاس سٹڈی میں جا پہنچی۔

"کون ہو تم۔ مجھے سچ سچ بتاؤ تم ہو کون۔"

وہ سٹڈی میں پہنچی تو راحیل نے پوری قوت سے اس کی کلائی تھامی اور انگارے اُگلتی آنکھیں نسرین کے چہرے پر جمائے کہا۔"میں کون ہوں؟ مطلب؟"وہ خوف و حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرے سامنے ستی ساوتری بننے کی کوشش مت کرو، جو پوچھا ہے اس کا سچ سچ جواب دو"۔اس نے نسرین کی کلائی پر گرفت مضبوط کی اور دانت پیستے ہوئے گویا ہوا۔

"مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی راحیل۔آپ صاف صاف بتائیں۔آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔"اس کی کلائی دکھنے لگی تھی۔"تم نے میرا غرور خاک میں ملایا ہے۔"اب اس نے کلائی کو چھوڑے اس کی چوٹی پکڑی جب کہ وہ ابھی بھی سمجھنے سے قاصر تھی کہ ہوا کیا ہے۔

"تم ایک ویشیا کی ناجائز اولاد ہو؟"وہ دانت پیستے ہوئے بولا اور چوٹی پر گرفت مضبوط کی۔

"یہ۔۔یہ جھوٹ ہے بہتان ہے۔میری ماں پاک باز عورت تھی۔ہاں ان کا تعلق چکلے سے تھا۔مگر وہ اپنی جوانی میں ہی اس گند سے نکل آئی تھی۔اور میں۔۔۔میں اپنے باپ عبدالرحیم کی اولاد ہوں۔"وہ آنکھوں میں نمی لیے اپنی چوٹی چھوڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"جھوٹ سراسر بکواس"۔اسنے نسرین کے چہرے پر تھپڑ مارا۔اور وہ چند لمحے سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔میری ماں۔۔وہ پاک باز تھی۔وہ قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی تھی۔ اس عورت نے مجھے قرآن بھی حفظ کروایا ہے۔"وہ روتے ہوئے اپنی ماں کی وکالت کر رہی تھی۔

"ایک ویشیا کبھی پاک باز نہیں ہو سکتی۔چاہے وہ لاکھ حج عمرے کر لے یا آب زمزم سے دُھلی ہو۔وہ تب بھی غلاظت کی غلاظت ہی رہتی ہے۔"وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"ان کی کردار کشی مت کریں۔اب وہ مر چکی ہیں اور۔۔اور وہ معاف کرنے والی ذات ہے ۔جس کے آگے وہ بقیہ زندگی گڑگڑا کر معافیاں مانگتی رہی ہیں۔"وہ تڑپ رہی تھی۔آج لمبے عرصے بعد اس نے اپنی ماں کے بارے میں کسی سے بات کی تھی۔مگر وہ بھی اس طرح۔

"ایسی بدکار عورتیں کبھی معاف نہیں کی جاتی اور وہ معافی کے لائق ہے ہی نہیں تھی۔"وہ حقارت بھری نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"تو پھر کون معافی کے لائق ہے۔آپ جیسا شخص؟جو اپنی باکردار بیوی کو کوٹھے پر بیچ آئے ۔ایک بچے کو اسکی ماں کی شفقت سے دور رکھے، یا جو اپنی دوسری بیوی پر ناجائز ہونے کا بہتان باندھے"۔آج وہ پہلی بار اس طرح کسی سے بات کر رہی تھی۔کیونکہ بات اس کی فوت شدہ ماں کے کردار کی تھی۔شادی شدہ عورت بہت کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر اپنے مائکے کی بے عزتی نہیں۔

"اب تم چکلے کی پیداوار مجھ سے اونچی آواز میں مخاطب ہو گی۔"وہ آنکھوں میں آگ لیے اپنا بیلٹ نکالنے لگا۔

"مجھے میرے اعمال دکھاؤ گی۔ویشیا کا گند"۔وہ بیلٹ ہاتھ میں لیے اس کی جانب بڑھا۔جب کہ وہ بیلٹ کو خوف سے دیکھتے ہوئے پیچھے ہوئی۔کافی مار پیٹ کے بعد اس کے وجود پر نیلے دھبے پڑ گئے۔وہ وہیں زمین پر سن ہو کر بیٹھی رہی۔پھر ہمت اکٹھی کرتے ہوئے اپنے کمرے کا رخ کیا۔کمرے کے دروازے پر پہنچی تو کمرہ اندر سے لاکڈ تھا۔اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، مگر کوئی جواب نہ آیا۔وہ واپس جا کر باہر صوفہ پر لیٹ گئی۔اس رات اسے نیند نہ آسکی۔وہ بس

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خاموش ہو گئی۔ وہ یہ سب اپنی ماں کو بتانا چاہتی تھی، پر کیسے؟ وہ کیسے اپنی مرحوم ماں کو اپنے زخم دکھاتی۔

اگلے روز وہ کچن کی جانب بڑھنے لگی۔ تو راحیل نے اسے ہاتھ سے روک دیا۔

"میں کسی چکلے کی عورت کے ہاتھوں سے کھانا نہیں کھا سکتا۔ آج سے کھانا ملازمہ بنائے گی۔ اور تم۔۔" اب وہ انگلی کھڑے کیے، اس کے قریب آیا۔

"تم نہ تو میرے کپڑوں کو ہاتھ لگاؤ گی، نہ کسی اور چیز کو اور نہ ہی آج کے بعد مجھے تم اپنے بستر پر نظر آؤ سمجھی۔" اس نے کہا اور غصے سے بڑے بڑے ڈگ بھرتا باہر کی جانب چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ خود پر ہنس دی۔

"بڑی بدبخت ہے تُو نسرین۔ اس نے تجھے قرآن حفظ کروا دیا، قرآن کا ڑھنے کی توفیق دی۔ تجھے اپنی تھوڑی بہت عبادات کی بھی توفیق دی۔ مگر تو آج بھی پاک باز نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ تجھے کبھی کسی نامحرم نے بھی نہیں چھوا۔ تیری ماں کو بھی آج تک کوئی پاک باز نہیں سمجھ پایا۔ اس نے اپنی حیاتی میں قرآن پاک کے اٹھارہ سپارے کا ڑھے ہیں۔ وہ پھر بھی آج تک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ویشیا ہی کہلائی جاتی ہے۔اور تُو دو سپارے کاڑھ کر کیسے مومن بن گئی ہاں؟ تُو ولی بھی بن جائے تو تجھے لوگ چکلے کی پیداوار ہی کہے گے۔"

اس کے بعد اچانک نسرین گھر سے غائب ہو گئی۔ پھر وہ کبھی نہ لوٹی۔نہ اپنے شوہر کے لیے۔ نہ بیٹوں کی خاطر۔

☆☆☆☆☆

اس کچے مکان کے مکین بھی قبل از وقت ناتواں اور کمزور ہو چکے تھے۔اماں ہاتھوں میں دودھ کی بالٹی لیے گھر کی دہلیز پار کر کے اندر آ گئیں۔انہیں یہ ویران گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ صحن میں چارپائی پر لیٹے ہمایوں کی سرجا کھڑی ہوئی۔

"ہمایوں پُترا گر گرمی لگ رہی ہے تو تجھے تیرے کمرے میں لیٹا آؤں۔"اماں نے اسے مخاطب کیا۔ہمایوں نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ اس دن سے ہی گمسم تھا۔بات کرتا تھا نہ گھر سے باہر قدم دھرتا تھا۔

"میں تیرے لیے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔ دیکھنا تو پی کر چنگا بھلا ہو جائے گا۔" وہ ماحول کو درست کرنا چاہتی تھی۔ جب کہ وہ چپ چاپ خلا کو گھورتا رہا۔ تین روز بعد وہ دوبارہ بات کرنے لگا لیکن اس کی بات "ہاں اور نہیں" تک محدود تھی۔

"اماں۔" وہ آج گھر سے باہر گیا تھا۔ اماں کے ساتھ بھینسوں کو چارہ بھی کھلا کر آیا تھا۔ اور دو بھینسوں کا دودھ بھی دھویا۔ پھر اس کا سر چکرانے لگا۔ جس کے باعث بقیہ بھینسوں کا دودھ اماں نے خود دھویا۔

"ہاں میرا لال کیا بات ہے؟" اماں روٹیاں لگاتی ہوئی بولی۔ "میں نے خواب میں کاکے اور سمیرا کو دیکھا تھا۔" وہ توّے پر پڑی روٹی کو دیکھتے گویا ہوا۔ چند لمحے سناٹا چھا گیا۔

"تُو انہیں بھول جا میرا پُتر۔ وہ ٹھیک ہوں گے۔" اماں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے کہا۔

"نہیں اماں۔ وہ ٹھیک نہیں تھے۔ کاکا رو رہا تھا۔ اور سمیرہ کے ماتھے سے خون نکل رہا تھا۔ اماں وہ مجھے بلا رہی تھی۔" اب وہ چولہے میں جلتی آگ کو دیکھتے ہوئے کسی ٹرانس کسی کیفیت میں بول رہا تھا۔

خواب سچے نہیں ہوتے میرالال۔یہ سب تیرا وہم ہے۔وہ اچھے گھر میں بیاہی گئی ہے۔اب تو انہیں مت سوچا کر۔"وہ روٹی کو پلٹتے ہوئے دکھ سے گویا ہوئی۔"اماں میں اس کو بچانا چاہتا ہوں۔یہ میرا حق ہے"۔وہ ابنارمل لگ رہا تھا۔

"وہ تجھ سے یہ حق چھین چکی ہے میرا بچہ۔تو اب نکل آ"غلافِ ہجر"سے۔آخر کب تک اس طرح اندھیر نگری میں بھٹکتا پھرے گا۔"ان کی گال پر ایک آنسو آ ٹپکا۔

"غمِ ہجر جب پوروں میں رچ بس جاتا ہے،تو غلافِ ہجر اپنی لپیٹ سخت کر دیتا ہے۔پھر غم کی دلدل سے چھٹکارا صرف موت ہی دلا سکتی ہے۔"وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے بولا۔

"نہ میرا پتر ایسی مشکل مشکل باتیں نہیں کرتے۔تو اب نکل آ اس دیوانگی سے۔تو کہتا ہے نہ رب آزمائش کے بعد آسانی دیتا ہے۔"اب انہوں نے نئی روٹی توّے پر لگائی۔

"اس بار میں ایسا نہیں کہہ رہا اماں۔میں اس دفعہ بہت سارے شکوے کرنا چاہتا ہوں۔"وہ اب حال ہی میں پڑے ہوئے لالٹین کی طرف دیکھتے بولا۔

"یہ لال ٹین بھی میرے دل کی طرح بجھ چکا ہے۔اس کے جلنے کی کوئی آس ہے،نہ میری سانسوں کا دِیا بجھنے کی کوئی امید۔اس نے سوچا اور اٹھ کر دوبارہ گھر سے باہر چلا گیا۔"پتر کھانا تو کھالے۔کل رات سے بھوکا ہے۔"وہ فکر مندی سے بولیں پھر دوبارہ روٹیاں لگانے لگی۔

شادی کے نام پر بربادی کو تین سال بیت چکے تھے۔ہمایوں پہلے کی طرح نارمل ہو گیا تھا یا کم از کم نارمل بننے کا دکھاوا کر رہا تھا۔

"آج جو لڑکی دیکھ کر آئی ہوں وہ ایک دم حور کی طرح چٹی،گوری اور سونے نقش والی ہے۔"اماں ان تین سالوں میں بس ایک ہی بات کہتی آئی تھیں۔"ہمایوں میرا لال،شادی کر لے۔"لیکن وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔مگر آج کل ان کے ارادوں میں لوہے کی سی مضبوطی تھی۔

"اماں میں شادی نہیں کر سکتا۔"وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے گویا ہوا۔"میں اسے نہیں بُھلا سکتا۔مجھے یوں ہی اکیلا رہنا ہے۔"وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

"تجھے میری قسم ہے ہمایوں۔اگر تم نے شادی نہ کی تو میں یہ نافرمانی سمجھوں گی۔"اس بار خالہ جان شان میں آ گئیں۔"اماں تو سمجھا کر میں نہیں شادی کرنا چاہتا"۔وہ نرمی سے اماں کو سمجھانے لگا۔جب کہ اماں ناراضگی سے منہ پھیر گئیں۔وہ بس تاسف سے ماں کو دیکھتا رہا۔

"اچھا اماں۔ناراض تو مت ہوا کر۔میں کر لوں گا شادی،تو جس سے بھی کہے گی۔"وہ ہار مانتے ہوئے سمیرا کے کمرے کی جانب دیکھتے گویا ہوا۔

☆☆☆☆☆

پچیس برس بعد۔

"بھائی آپ ہر وقت کڑوا کریلا کیوں بنے رہتے ہیں۔لائف میں تھوڑی انجوائمنٹ تو بنتی ہے ناں۔"ارحم اپنے بڑے بھائی کو چھیڑ رہا تھا۔وہ دونوں گاڑی میں سوار تھے۔

"انجوائمنٹ کے بچے رات کو بابا سے ڈانٹ پڑے گی۔مجھے اس طرح کام چھوڑ کر تمہارے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔"وہ معمول کی نرمی سے بولا۔

"بھائی آپ نے راحیل چوہدری کو زیادہ ہی سیریس لے لیا ہے۔"وہ کمال اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شرم کرو بابا ہیں ہمارے"۔وہ مصنوعی ناراضگی دکھاتے ہوئے بولا،تو ارحم ہنس دیا۔"ہم جا کہاں رہے ہیں،یار۔"وہ گاڑی کو مین روڈ سے اُترتا دیکھ کر بولا۔

"ہم ایک گاؤں جا رہے ہیں۔تاکہ میں یعنی ارحم راحیل اپنا کام کر سکوں"۔

"او۔۔۔تم اور تمہارے فوٹو شوٹس مجھے مروا کر رہیں گے۔"وہ سرد آہ خارج کرتا ہوا بولا۔

ارحم کو فطری مناظر سے بڑی محبت تھی فطرت کی فوٹو گرافی اس کا جنون تھا۔وہ دس برس کی عمر میں ہی راحیل سے کیمرہ خریدنے کی ضد کرنے لگا۔تبھی اس نے فوٹو گرافی کا آغاز کیا۔

گاڑی اب گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں سے دھول اُڑاتی گاؤں کی اوڑھ بڑھ رہی تھی۔ہر اگلے لمحے گاؤں کی تصویر واضح ہو رہی تھی۔

گاڑی گاؤں کی کچی گلیوں میں داخل ہوئی۔انہوں نے گاڑی ایک صاف جگہ پر کھڑی کی اور خود باہر نکل آئے۔ایک لڑکی سیاہ شلوار قمیض پہنے سر پر دوپٹہ اوڑھے گلی سے گزر رہی تھی۔

"بھائی آپ اس لڑکی سے پوچھیں۔"ارحم نے اسے آگے کر دیا اور وہ خود پیچھے ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کے گاؤں میں کوئی کچا گھر ہو گا؟"۔وہ بہت نرم لہجے میں بولا تو لڑکی رک کر اچھنبے سے اسے دیکھنے لگی۔پھر اس نے حدید سے نظر ہٹا کر اپنے ارد گرد دیکھا۔تو اس کے ارد گرد ہر گھر مٹی کا بنا تھا۔

"نہیں یہاں تو شیشوں والی عمارتیں ہیں۔کچے مکان تو آپ کو امریکہ اور کینیڈا میں ملے گے۔"اس نے جتاتی نظروں سے کہا اور چل دی۔وہ اپنی حماقت پر شرمندہ ہوا۔اسے اپنے پیچھے ہنسنے کی آواز آئی۔وہ مڑ کر نہ دیکھ پایا۔

"میرا مطلب تھا کہ کوئی فارغ کچا گھر۔"وہ دوبارہ اس کے پیچھے بولا۔

"کیوں؟فارغ گھر سے تو نے کپڑے دھلوانے ہیں یا کنگھی کروانی ہے؟"وہ پھر سے اسی انداز میں بولی۔تو وہ حیرت خیز اسے دیکھتا رہا۔

"کمال کی روسٹر ہے بھائی۔"ارحم نے ہنستے ہوئے سرگوشی کی۔""کہاں سے آجاتے ہیں ۔عقل سے پیدل شہری لوگ۔"اس نے کہتے ہوئے بے رخی سے سر جھٹکا اور چل دی۔

جب کہ وہ دونوں کھڑے کھڑے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنسنے۔

"بھائی کافی دیسی بے عزتی کر کے گئی ہے۔"ارحم ہنسنے لگا۔"آپ کو کچھ چاہیے بیٹا؟"وہ دونوں ایک انجان آواز پر پلٹے۔تو وہ شخص چکا چوند حدید کو دیکھنے لگا۔"تم۔۔۔تمہارا نام کیا ہے بیٹا ۔"وہ شخص حدید کے چہرے پر نظریں ٹکائے بولا۔

"میں حدید راحیل چودھری۔"حدید نے انتہائی نرم لہجے میں کہااور اس شخص کو سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔"پیارا نام ہے۔بہت پیارا نام۔"کہتے ہوئے اس شخص کی آنکھوں میں بے رنگ موتی چمکے۔اس نے حدید کو گلے لگالیا۔حدید کی حیرت کو چار چاند لگ گئے۔پھر وہ شخص انہیں اپنے گھر لے گیا۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں چچا۔"حدید نے گفتگو کو جاری رکھنے کی غرض سے کہا۔

"میں گزشتہ پچیس برس سے انتظار کر رہا ہوں۔"وہ حدید کو دیکھتے شفقت سے بولا۔جبکہ حدید اور ارحم ایک دوسرے کو حیرت سے گھورنے لگے۔

"انتظار؟کیسا انتظار؟اور کس کا انتظار؟حدید نے پوچھا۔"کسی کے لوٹ آنے کا اور کسی کو بھول جانے کا۔"وہ نظر جھکائے بولا۔

"انتظار صرف دکھ دیتا ہے۔ کبھی ختم نہیں ہوتا۔اس لیے آپ انتظار کرنا چھوڑ دیں۔" حدید کسی ٹرانس کی کیفیت میں بولا۔

"میرا انتظار تو آج ختم ہو گیا ہے۔" وہ شخص خوشی سے مسکرایا۔اس کی آنکھوں میں نمکین پانی کی تہہ چمکی۔ "میں سمجھا نہیں۔" حدید کچھ مضطرب ہوا۔ "ہمایوں چچا تیرے لیے میں نے آلو قیمہ۔۔" وہ آندھی کی طرح گھر میں داخل ہوئی۔ پھر ان دو لڑکوں کو وہاں بیٹھا دیکھ کر اچانک خاموش ہو گئی۔

"آجا رضیہ۔" وہ دونوں کو حیرت سے گھورنے لگے۔

"چچا تیرے مہمانوں کو "فارغ" کچا مکان چاہیے"۔ وہ ان کا مذاق اُڑاتی برامدے سے اندر چلی گئی۔ "آپ تنہا کیوں رہتے ہیں؟" حدید نے غیر ارادی طور پر پوچھ تو لیا تھا مگر پھر شرمندہ ہوا۔ کیونکہ وہ اجنبیوں سے اتنی بات کرنے کا عادی نہ تھا۔

"چند برس قبل اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ لیکن ان کی موت نے تنہائی بڑھا دی۔" وہ سر جھکائے بولا۔

"اور بیوی بچے؟" الفاظ پر ہمایوں چونک کر حدید کو دیکھنے لگا۔ "بچے تو سب اپنے ہی ہیں بیٹا ۔جیسے تم بھی مجھے میرے اپنے بیٹے کی طرح لگ رہے ہو۔" ہمایوں کے چہرے پر اچانک صدیوں کی تھکان واضح ہوئی۔ جبکہ حدید ان کی بات پر کچھ پریشان ہوا۔

اچانک ان کے درمیان خاموشی کی دیوار حائل ہو گئی۔اس کے بعد ارحم نے اپنا کام کیا جبکہ حدید اس ہمایوں چچا کو سوچتا رہا۔ پھر وہ واپس شہر کو روانہ ہو گئے۔

حدید سٹڈی میں سر جھکائے صوفہ پر بیٹھا تھا.اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا وہ پچھلے پندرہ منٹ سے یوں بت بنا بیٹھا تھا۔

"حدید میرے بچے ضد مت کرو۔ میری بات مان لو۔" راحیل کتاب کا مطالعہ کرتا ہوا گویا ہوا۔

"مجھے معاف کر دیں ڈیڈ۔ یہ مجھ سے نہ ہو پائے گا۔" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"وہ ماں ہے تمہاری۔۔ تمہیں یاد کرتی ہو گی۔ تم سے ملنا چاہتی ہو گی"۔اب کی بار راحیل اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں انہیں یاد نہیں کرتا۔نہ ان سے ملنا چاہتا ہوں۔اور۔۔۔اور طوائف کبھی کسی کی ماں نہیں ہو سکتی۔" حدید کی آواز میں نفرت کی رمق تھی۔" تمہیں میری قسم بیٹا۔تم اس سے ملنے ضرور جاؤ گے۔ پچھلے پندرہ سال سے تمہیں خط لکھ رہی ہوں۔کم از کم ایک بار تو تم اس سے مل سکتے ہو ناں۔" یہ کہتے ہوئے راحیل کے چہرے پر کچھ تو ایسا تھا جو اسے بہت مختلف بنا رہا تھا۔پر کیا؟ شاید کوئی ملال یا ضمیر کا دیا ہوا زخم۔

☆☆☆☆☆

وہ برف نظر آئینے پر جمائے نہ جانے اپنے چہرے سے کیا کھوج رہی تھی۔اس کے چہرے کی رنگت بہت پھیکی پڑ چکی تھی۔جسے دوبارہ پُر رونق کرنے کے لیے میک اَپ کا استعمال کیا جاتا تھا۔کانوں میں پہنے بُندے،ہاتھوں کے کنگن اور پیروں کی پائل سب خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے،وہ سب اس کے غم سے آشنا تو ہوں گے۔

اس نے آئینے سے برف نظروں کا رخ کمرے کی دہلیز کی جانب کیا۔اسے آج بھی یاد تھا کہ کس طرح راحیل اسے گھسیٹتے ہوئے اس کوٹھے پر بیچ گیا تھا۔اس نے اسکی پارسائی چھین لی، بچہ چھین لیا اور نام؟ وہ بھی تو چھین لیا۔وہ گزشتہ پچیس برس سے سمیرا کی بجائے ستارہ کہلائی

جانے لگی تھی۔اس شخص کے ظلم و ستم بھلائے نہیں جا سکتے۔اس نے دوبارہ اپنا رخ آئینے کی جانب کر لیا۔

"تم نے غزل دہرالی ستارہ؟"ایک نسوانی آواز نے اسے دوبارہ دہلیز کی جانب دیکھنے پر راغب کیا۔ستارہ اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار اس سے مل رہی ہو۔

"ستارہ تم ٹھیک ہو؟"شبنم قدرِ ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ستارہ نے اسے نظر انداز کیا اور کمرے میں بنی لکڑی کی نفیس الماری کی جانب بڑھی۔الماری کے پٹ کھول کر اس میں رکھے ایک سال کے بچے کے کپڑوں کو چھونے لگی۔یہ کپڑے وہ واحد اثاثہ تھے۔جو پچھلے پچیس سال سے اس کے پاس تھے وہ ان کپڑوں کو دن میں کئی بار دیکھتی تھی۔

"ستارہ تم نے اسے پھر خط لکھا۔"شبنم ناراضگی سے بولی۔

"وہی تو میری سانسوں کی وجہ ہے۔اسے میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"وہ ان کپڑوں کو بے پناہ عقیدت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اِن پندرہ سالوں میں تم لگ بھگ ساڑھے پانچ ہزار خط اس کو لکھ چکی ہوں۔اس نے آج تک جواب نہیں دیا۔اس طرح کی اولاد کو میں تو منہ تک نہ لگاؤں۔ تم کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔"شبنم بڑے دکھ سے بولی۔

"آج وہ آئے گا۔ضرور آئے گا"۔اچانک ہی اس کے تھکن زدہ چہرے پر مسکان ابھری۔

"وہ نہیں آئے گا۔وہ نہ آج تک آیا ہے نہ آئندہ کبھی آئے گا۔تم خود کو بے وقعت کر رہی ہوں۔اوپر سے ہر روز ایک نئی چٹھی بھیجنے کا خرچ علیحدہ۔تم کیوں اپنا آپ اور اپنی کمائی اس نام نہاد بیٹے کو بلانے میں ضائع کر رہی ہو۔وہ کمینہ اپنے باپ راحیل کے جیسا ہی نکلے گا۔"وہ لڑکی ستارہ کے غم میں تقریباً رو دی۔وہ ستارہ کے ماضی سے واقف تھی بلکہ اس کوٹھے کا ہر فرد اس کی درد بھری داستان کا محرم تھا۔

"میرے بیٹے کے بارے میں غلط مت کہو شبنم۔مت غلط کہو۔وہ میرے ہمایوں کی طرح سادہ لوح آدمی بنے گا۔تم دیکھنا وہ بہت سے لوگوں کا بھلا کرے گا۔"وہ ممتا کے ہاتھوں مجبور ستارہ جس کے ستاروں کی گردش سالوں سے رک چکی تھی۔اپنے بیٹے کے خلاف ایک لفظ نہ سنتی تھی۔"تم غزل تیار کرو۔دوسرے شہر سے ایک نواب آرہا ہے اور برائے کرم اسے

بھول جاؤ۔بیٹے کے انتظار میں تم بوڑھی ہو جاؤ گی اور وہ کبھی نہیں آئے گا۔"شبنم اب ستارہ کے کندھے پر ہاتھ جمائے ہمدردی و محبت سے سمجھا رہی تھی۔

چند لمحے بعد وہ "رقص گاہ" میں موجود تھی۔وہ سفید انارکلی فراک زیب تن کیے ہوئے، سرخ قالین پر یوں بیٹھی تھی کہ ایک گھٹنا کھڑا تھا جبکہ دوسری ٹانگ قالین پر لیٹائی ہوئی تھی۔اسے جب بھی یہ بات یاد آتی کہ وہ کبھی بغیر ڈوپٹے کے کسی نامحرم کے سامنے نہیں گئی تھی۔تو وہ خود پر ہنس دیتی۔وہ زمانہ ماضی سے وہاں غزلیں گا رہی تھی۔وہ کوٹھا کوئی چکلہ، فحاشی کا اڈا یا ویشا کا ٹھکانہ نہ تھا۔بلکہ وہاں مختلف اقسام کا پیچیدہ رقص پیش کیا جاتا تھا۔

وہاں طوائف کے مجرے سے مراد فحش رقص نہیں۔بلکہ پیچیدہ رقص ہے۔جو آرٹ کی خوبصورتی ہے۔سمیرا جب پچیس ورے قبل اس کوٹھے پر فروخت کی گئی۔تو اسے غزل گوئی کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

"مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ، میں نے سمجھا تھا کہ تُو ہے تو درخشاں ہے حیات"

سمیرا کے لبوں سے اُترے پہلے شعر نے ہی ارد گرد تکیہ کا سہارا لیے نوابوں کو "واہ واہ" کرنے پر مجبور کر دیا۔

"تیرا غم ہے تو غمِ دھر کا جھگڑا کیا ہے۔"

غزل نے ماضی کے پنے اُلٹے تھے اور بہت سے زخم پھر سے ہرے ہونے لگے تھے۔

"تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات، تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے"

یہ بولتے ہی اسے وہ منظر یاد آیا جب ہمایوں نے۔اسے اپنی شادی کی خوشخبری سنائی۔اس نوید پر اس کا مچل جانا، خوشی کے باعث دوڑتے ہوئے چھت سے نیچے جانا، سب کسی فلم کی طرح دماغ کی اسکرین پر نشر ہونے لگا۔

"تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے"

یہ مصرع اسے شادی کی پہلی رات کی گفتگو یاد دلا گیا۔جب وہ ہمایوں کو اپنی محبت سے روٹھنے اور منانے کے اصول و ضوابط سکھا رہی تھی۔

"یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ستارہ کے ذہن میں تمام آیام کسی تصویر کی طرح چلنے لگے۔جب اس کا بیٹا بیمار ہوا اور جب مفلسی نے سر بلند کیا۔جب مجبوری نے کمر توڑ ڈالی اور کم ظرفوں کے در پر لے گئیں۔

"اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا، راحتیں اور بھی ہم وصل کی راحت کے سوا"

یادوں کے طوفان میں وہ منظر بھی آن پہنچا جب اسے نہ صرف بچے سے محروم کر دیا بلکہ اس سے پارسائی اور اس کا ذاتی نام بھی چھین لیا گیا۔

وہ ہمیشہ سے آدھی غزل ہی پڑھا کرتی تھی۔کیونکہ اس کی زندگی کا احاطہ آدھی غزل ہی کر لیتی تھی۔غزل رکنے پر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔"غزل مکمل کرو ستارہ۔"سلمہ بیگم نے حکم دیا۔غزل کے دوران نوابوں نے پیسوں کی کئی گٹھلیاں اس پر واریں۔

"ایسے قصے ادھورے چھوڑ دینے چاہیے جن کی تکمیل کسی کی موت کا سبب بنے"۔کہہ کر وہ اپنی آرام گاہ کو چل دی۔

"یہ کوٹھا تمہارے باپ دادا کی جاگیر نہیں جہاں تم اپنی مرضی کرتی پھرو۔یہ سلمہ بیگم کی ملکیت ہے اور تم ہر بار کی طرح اس بار بھی اس غزل کو ادھورا چھوڑ کر ثابت کیا کرنا چاہتی ہو۔

ملکانی ہو تم، ہاں۔"۔ سلمہ بیگم فوراً اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ان کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی۔ستارہ جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

"ہر بار کی طرح تم مجھے مارنے آئی ہو تو مار پیٹ کر چلی جاؤ۔بس سوال مت کرنا۔" سمیرا نے تھکے ہوئے انداز میں کہا تو سلمہ بیگم نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا۔

"ایک تو تمہاری وجہ سے ایک اور محفل خراب ہوئی۔اور اوپر سے زبان لڑاتی ہو، بچہ موئی۔" وہ غضب ناک ہوئیں۔

"خبر دار، میرے بچے کو بد دعا مت دینا، ورنہ اچھا نہیں ہو گا"۔ سمیرا نے انگلی اٹھاتے ہوئے وارننگ دی تو ایک اور تھپڑ پڑ گیا۔

"غصہ آتا ہے تجھے کم ذات، کمینی, دو ٹکے کی طوائف۔ بھول گئی؟ تجھے کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر گیا تھا تیرا کھسم۔اب تُو مجھ سے زبان لڑاتی ہے، گٹر کی گندگی"۔ کہتے ہوئے اس نے لاٹھی سمیرا کے ہاتھ کی ہڈی اور گھٹنے پر مارنا شروع کی۔وہ درد سے کراہ تک نہیں کر رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھا تم گندے نالے کی چونٹی مضبوط ہو گئی ہو ہاں۔ میں تجھے ابھی دو کوڑی کا کرتی ہوں۔"

کہتے ہوئے اس نے سمیرا کو بالوں سے پکڑا اور اس کا سر دیوار میں مارا اور اس وقت تک اس کا سر دیوار سے ٹکراتی رہی جب تک خون کا فوارہ اس کی سفید فرک کو سرخ نہیں کر گیا۔

"تمہیں بتا رہی ہوں۔ آئندہ اگر میری محفل خراب کی تو اس سے زیادہ تڑپاؤں گی۔ بلکہ رقص گاہ میں ہی مار کر دفن کرو گی۔" کہتے ہوئے اس نے سمیرا کے چہرے پر تھوکا اور باہر چلی گئی۔ وہ چند لمحے خود پر ہنستی رہی۔ پھر وہی زمین پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

چند لمحے بعد وہ اٹھی، پھر دوبارہ بیٹے کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔

خط

بہت زہر لگنے لگی ہو نا تمہیں۔ آخر اتنے سالوں سے ہر روز تمہیں تکلیف پہنچاتی ہوں۔ ہر روز تمہاری دہلیز پر ایک نئی چٹھی بھیج کر۔ کبھی تم نے سوچا ہے، اس عورت کے بارے میں۔ جس نے اپنی اولاد کے لیے خود کی خوشیاں غارت کر دیں۔ اپنا محبوب شخص کھو دیا۔ اور۔۔۔ اور اپنی چادر اتار کر اس کوٹھے پر آ بیٹھی۔ اس عورت کی کیا کیفیت ہو گی جس نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کبھی بنا نقاب کے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا ہو، اور اچانک اسے بنا چادر کر بازار میں بٹھا دیا جائے۔

اس ذلت پر وہ مر جاتی ہے۔ اور میں زندہ ہوں۔ دیکھ لو کتنی بے شرم بن گئی ہوں۔

جانتے ہو کیوں؟ پریت کیلئے، لگاؤ کی خاطر۔ اس پریم کے لیے جس کے واسطے اس نے اپنے خدا کو ناراض کیا۔ بندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ آج وہ عورت صرف آنکھ بھر کے تمہیں دیکھنا چاہتی ہے، تمہیں سننا چاہتی ہے۔ مگر تم مصروف ہو۔ تمہیں تو جوابی خط ارسال کرنے تک کی فرصت نہیں۔ پر یہ طوائف کہلائی جانے والی عورت، تمہیں خط بھیجتی رہے گی۔

جس سے روز تمہیں اس کوٹھے سے خط موصول نہ ہوا، تو سمجھ جانا، کہ بدچلن طوائف کے گند سے، اس روئے زمین کو پاک کر دیا گیا ہے۔ اس روز کے بعد کوئی بدتہذیب، بدکردار اور بند بخت طوائف تمہیں خط نہیں لکھے گی۔

فقط منتظر طوائف

اس کے ٹسوے الفاظ کے سنگ اُس کورے کاغذ کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔ آج وہ تھک چکی تھی۔ ان پندرہ سالوں میں پہلی بار اس نے اتنی تھکن محسوس کی تھی۔ انتظار کی تھکن۔ انتظار

کرتے انسانوں کا درد بہت میسنا ہوتا ہے۔اندر ہی اندر اس منتظر شخص کو کھا جاتا ہے۔جیسے وہ ستارہ کو چکی میں پیس چکا تھا اور پیس رہا تھا۔وہ حسب معمول آج بھی اسے خط لکھ رہی تھی۔ آج بھی اس کا کمرہ اداس اور ویران لگ رہا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس خط کا جواب بھی تقریباً گزشتہ ساڑھے پانچ ہزار خطوط کی طرح کبھی نہیں آئے گا۔

☆☆☆☆☆

اٹھارہ برس قبل

جو کل تک آشنا تھا۔آج وہ اجنبی ہے۔وقت سب بدل سکتا ہے۔وقت نے ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔

میں ٹھیلے سے چوڑیاں خرید رہی تھی جب وہ میری نظروں میں آ ٹھہرا۔میں چند لمحے دم بخود رہ گئی۔میں یقین کرنے سے قاصر تھی کہ وہ سالوں بعد میرے اتنے قریب ہے۔وہ کسی ٹھیلے کے قریب بیٹھا اپنی پلیٹ پر نظریں جمائے چاول کھا رہا تھا۔میں نے چوڑیاں واپس ٹھیلے پر رکھیں اور اس کی جانب دو قدم بڑھائے مگر پھر سنگ ہو گئی۔

آخر میں کس حق سے اس سے مل سکتی تھی۔اب ہمارے درمیان کوئی ناطہ نہ تھا۔وہ جو بھر سوں قبل میری دنیا تھا،آج وہ کچھ بھی نہیں ہے۔جس کے بغیر میں نے کبھی ایک نوالا تک نہ کھایا تھا۔اس طویل اور کٹھن عرصے میں اس کے بغیر نا جانے کتنے غم کھا چکی ہوں۔

میں نے سرد آہ خارج کی اور ایک بار پھر حالات سے مجبور ہو کر اپنی راہ کو چل دی۔مجبوریاں انسان کو اچھا نہیں رہنے دیتیں۔میں بھی آج اچھی نہیں رہ سکی۔

"سنو۔تم بدل گئی ہو ناں؟"میں برقع میں لپٹی بھرے بازار سے سے گزر رہی تھی جب اس کی آواز نے میرے قدم ڈھیر کر دیے۔میں اسے پلٹ کر نہیں دیکھ سکتی تھی،اگر دیکھ لیتی تو شاید۔۔۔شاید برسوں کا فاصلہ کھڑے کھڑے سمٹ جاتا۔

"جانتا ہوں یہ سوال جائز نہیں،مگر پھر بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔کیا تم خوش ہوں؟"اس نے وہ سوال پوچھ لیا جو میں نے آج تک خود سے نہیں پوچھا تھا۔میں اس کے سوال پر لاجواب رہی ۔"تمہیں میری یاد نہیں آتی کیا؟"میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔آنکھوں میں بھی نمی محسوس ہونے لگی مگر میں نے پلٹ کر اسے نہ دیکھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" میں بدقت بول پائی۔ پھر وہ میرے سامنے آ کھڑا ہو گیا پر میری ہمت بھی نہ ہو سکی کہ میں آنکھ اٹھا کر اسے دیکھ سکوں۔ جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے پلکوں کا گراں پردہ اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ زخمی سا مسکرا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بہت سی شکایتیں تھیں۔ ہونے بھی چاہیے تھی۔ اخر میں اس کی اتنی بڑی مجرم تھی۔ اس کی گنہگار تھی۔ پھر وہ راستے سے ہٹ گیا۔ میں چند لمحے اس کی آنکھوں کا ملال دیکھتی رہی، اور اندر ہی اندر ٹوٹتی رہی۔ پھر بڑی سفاکی سے وقت کی طرح آگے بڑھ گئی۔

ستارہ بستر پر بیٹھی شبنم کو بتا رہی تھی۔

"تمہیں ہمایوں کو بتانا چاہیے تھا کہ راحیل تمہیں طلاق دے کر اس کوٹھے پر بیچ چکا ہے۔ شاید وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔" وہ رک کر ستارہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جب کہ ستارا نے دردمندی سے مسکراتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

"کیا تم اس بات سے خوفزدہ ہو کہ وہ تمہیں طوائف سمجھ کر تم سے نفرت کرے گا؟" شبنم مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "نہیں بلکہ اس بات کا خوف ہے، کہ وہ مجھ سے دوبارہ شادی کرنے کی ضد کرے گا۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ کیا وہ واقعی تم سے دوبارہ شادی کرے گا؟" شبنم کی حیرت کو چار چاند لگ گئے۔

"مگر ہمارا ملن اب ممکن نہیں۔ کیونکہ میں اب باکردار عورت نہیں ہوں۔ درجنوں محفلیں سجا چکی ہوں۔" ستارہ اُٹھ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"ستارہ تم صرف غزل گوئی کرتی ہو۔ تمہیں آج تک کسی نے چھوا تک نہیں۔ برائے کرم اپنے بارے میں اتنا غلط مت سوچا کرو۔ خود کو عزت دینا سیکھو۔"

"عزت سے میرا ناطہ تو اسی روز ٹوٹ چکا تھا جب اس کوٹھے پر قدم رکھا تھا؟ اب کون سی عزت اور کیسی عزت ہے؟" اس نے نیلے رنگ کی فراک نکالی۔ "میں خود کو دنیا کی نظروں سے دیکھتی ہوں۔ مجھے خود سے بس گھن آتی ہے۔" شبنم اس کی بات کے جواب میں خاموش رہی۔

☆☆☆☆☆

پچیس سال بعد وہ دوبارہ اس کمرے میں جا پہنچا۔ان پچیس سالوں میں اس کی کبھی ہمت ہی نہ ہو سکی کہ اس کمرے میں پیر بھی رکھ سکے۔ مگر آج اپنے بیٹے حدید کو دیکھے سارا ماضی اس کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگا۔دروازہ کھولتے ہی اسے سامنے دھول سے اٹا صندوق نظر آیا۔

"ہمایوں مجھے خالہ والے صندوق میں کپڑے نہیں رکھنے۔وہاں اکثر چوہے گھس کر کپڑوں کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔اس لیے مجھے نیا صندوق چاہیے اور چاہیے"۔بچوں کی طرح ضد کرتی سمیرا کی آواز ہمایوں کے کانوں میں گونج اٹھی۔

ماضی کی یاد پر،اس کے چہرے پر، آج بھی وہی مسکراہٹ آئی جو پچیس سال قبل سمیرا کی بات پر آئی تھی۔اسے یاد آیا کہ اس نے اپنی بھینسوں کا دودھ بیچ کر ملنے والی رقم سے صندوق خریدتا تھا۔صندوق کو دیکھیے سمیرہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

پھر ہمایوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا صندوق کے پاس گیا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر صندوق پر لگی گرد کو جھاڑا۔پھر اسے کھولنے کی سعی کی۔اسے اپنا ہاتھ لرزتا محسوس ہوا۔صندوق کھولنے پر اسے اس میں سے ایک پائل دکھی۔

"اللہ جانے کون سی عورتیں پائل کے بغیر زندگی گزار دیتی ہیں۔اور ایک میں ہوں جسے پائل کے بغیر نہ ہی عید، عید لگتی ہے نہ شادی, شادی۔" وہ خالہ جان کو بڑے دلکش انداز میں بتاتی ہوئی ہمایوں کو بڑی پیاری لگتی تھی۔

"جب بھی مجھے کسی بات پر راضی کرنا ہو تو چپ چاپ میرے پاؤں کے لیے پائل خرید لانا۔ دیکھنا، چٹکیوں میں تمہاری بات مانوں گی۔" یہ بات اس نے تب کہی جب وہ زندگی نام کے کانٹے سے ناواقف تھی۔ سمیرا کا یوں چھوٹی چھوٹی فرمائشیں کرنا اور ہمایوں کا, انہیں پورا کرنا بہت خوشی دیتا تھا۔

پھر اس کی نظر میں وہ دوپٹہ آ ٹھہرا۔ جسے وہ گود میں رکھے اسکی شادی پر پچیس سال قبل بے ہوش پڑا تھا۔ وہ دوپٹہ دیکھے اسے ایک لمحے کے لیے پھر سے وہی کُرب محسوس ہوا۔

وہ دوپٹے کو دیکھے الٹے قدم چلنے لگا۔ وہ صندوق کو یوں ہی کھلا چھوڑے کمرے سے باہر نکل آیا۔

"نہیں۔ہمایوں نہیں۔رب سوہنے نے تمہیں بہت دلیر پیدا کیا ہے۔تو بکھر نہیں سکتا۔"

سمیرا کی شادی والے دن بھی وہ یہی کہتا کہتا بے ہوش ہو گیا تھا۔وہ کہتا ہے کہ وہ دلیر ہے ۔لیکن وہ تو اس روز بھی ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔

"تُو۔۔۔تُو رب کی ناشکری نہیں کر سکتا۔جو اس نے دیا تھا،وہ سب سے اعلی تھا۔جب وہ اسے واپس لے چکا ہے،تو یہ میرے حق میں اعلی ہے۔"وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی ناشکری سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ درد سے پسا موجود لیے کرسی پر بیٹھ گئی۔ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔اس نے الماری سے ایک دوپٹہ نکال کر اپنے لہو کو پونچھا۔فراک پر گلے کے قریب بھی خون کے کچھ دھبے پڑ چکے تھے۔وہ بمشکل کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہے۔تُو مت میری کوئی پکار سن۔مت دیکھ میرے درد کو۔تو۔۔بس۔۔۔بلکہ اب میں تیرے آگے ہاتھ ہی نہیں پھیلاؤں گی۔جب تُو دعا سنتا ہی نہیں۔قبول ہی نہیں کرتا،تو میں کیوں تجھ سے دعا مانگ کر اپنا وقت ضائع کروں۔"وہ دوپٹے سے زخم والی جگہ کو دبا رہی

تھی۔تاکہ خون کی روانی مکمل رک جائے۔" پتہ نہیں کون ہے وہ لوگ تُو جن کی مراد بن کہے پوری کرتا ہے۔میں تو سالوں سے صرف مانگے ہی جا رہی ہوں۔پر تو ہے کہ کچھ دے ہی نہیں رہا۔" منفی سوچوں کا ساگر بہتا چلا جا رہا تھا۔

"تہجد میں بھی تجھ سے گڑگڑا کر مانگا۔سجدے آنسوؤں سے بھر دیے۔لیکن تو ہے کہ ایک جھولی نہیں بھر سکا۔صبر۔۔؟ پچیس سال صبر کافی نہیں ہے کیا اب کہ مزید صبر کروں۔ وہی دعائیں،وہی التجائیں اور وہی آنسو ہیں میرے پاس۔کیا اتنا صبر کافی نہیں۔"آج وہ سارے گلے شکوے کرنا چاہتی تھی۔

اب خون کی روانی مکمل طور پر رک چکی تھی۔وہ چل کر بستر پر بیٹھ گئی۔یادوں کی بے اختیار ندیاں اسے پچیس سال پیچھے بہا لے گئیں۔وہ کچے مکان کے برآمدے میں نیم کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی۔جب صاف ہو گئے تو وہ چاول لیے باورچی خانے کی جانب چلنے لگی۔اچانک اس کا گھٹنا چارپائی سے ٹکرایا تو وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے دیکھ کر خالہ باورچی خانے سے دوڑی آئیں۔

"میری بیٹی کیا ہو گیا ہے؟ رو کیوں رہی ہو"۔ خالہ نے اسے اُٹھایا اور چارپائی پر بٹھایا۔ "خالہ گھٹنا چارپائی سے ٹکرا گیا ہے۔" وہ روتی ہوئی بولی۔ "تُو رو مت میری بچی۔ میں تجھے حکیم کے پاس لے جاتی ہوں۔" خالہ فکر مندی سے گویا ہوئی۔ "کوئی بات نہیں خالہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں"۔ اتنے میں ہمایوں بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔

"اماں آپ اس کے پاس بیٹھے۔ میں حکیم کو گھر لے کر آتا ہوں۔" وہ کہہ کر جانے کو مڑا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ روتی ہوئی بولی۔ "ضرورت کیوں نہیں بھلا۔" وہ کہتے ہوئے حکیم کو لے آیا۔ پھر اگلے دو روز خالہ اور ہمایوں اس کا خیال رکھتے رہے۔ خالہ اسے زبردستی ہلدی والا دودھ دیتی رہی۔

وہ حال میں لوٹی تو یہاں اس کے پاس نہ خالہ تھی نہ، ہمایوں نہ، کوئی درد بانٹنے والا اور نہ دوا دینے والا۔

☆☆☆☆☆

حدید ہاتھ میں خط تھامے آتش دان کے قریب ایک کرسی پر براجمان تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ دیے رہا تھا۔ چند لمحے یوں ہی راکنگ چیئر کو جھلاتا رہا پھر آنکھیں

کھولے گھٹنوں پر ہاکہنیاں جمائے بیٹھ گیا۔خط اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اب دوبارہ اس خط پر ٹھہر چکی تھی۔

وہ چھے سال کا تھا جب وہ پارک میں کھیلتے کھیلتے ایک طلحہ نامی بچے کے ساتھ جا ٹکرایا۔نتیجتاً دونوں کو چوٹ آئی۔اس بچے کی ماں نے حدید کو ایک تھپڑ دے مارا۔وہ چند لمحے ننھی درد بھری آنکھوں سے ان ماں بیٹے کو دیکھتا رہا۔پھر چپ چپ گھر آ گیا۔راحیل آفس میں تھا۔جبکہ نسرین ایک سال قبل ہی لاپتہ ہو گئی تھی۔تو وہ تن تنہا اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔اس نے قریب ہی لیٹے ارحم کو دیکھا پھر اُٹھ کر بناوضو کیے جائے نماز پر بیٹھ گیا۔

"اللہ میاں! طلحہ کو چوٹ لگی تو اس نے اپنی ماما کو بلا لیا۔" وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھا تھا۔"انہوں نے میرے گال پر تھپڑ بھی مار دیا۔کوئی بات نہیں۔وہ آنٹی بڑی ہیں۔بڑوں کی باتوں کا برا نہیں مانتے۔" وہ بہت سہما سہما سا لگ رہا تھا۔"مگر۔۔۔مجھے بھی تو چوٹ لگی ہے۔۔مجھے تو تھپڑ بھی لگا۔مجھے کسے بلانا چاہیے؟" وہ رک کر سوچ میں پڑ گیا۔۔"میری ماما تو نہیں ہیں۔کیا مجھے بس رو کر سو جانا چاہیے؟اللہ میاں!" اب وہ چھت کو گھورنے لگا۔

"اگر کل بھی کسی نے مجھے ایسے ہی مارا تو کل میں کیا کروں گا؟ کیا کل بھی مجھے رو کر سو جانا ہے؟ اور۔۔۔ اور باقی دن بھی۔۔۔ کیا ہر دن رونا ہو گا۔" وہ سہما سہما سا پھول اپنے ہاتھوں ہر نظریں ٹکائے بیٹھا تھا۔ اللہ میاں! ایک بات پوچھوں؟" اس نے اپنے گال سے آنسو پونچھا۔ "سب کی ماما یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ حدید اور ارحم کے پاس ماما نہیں ہے تو انھیں بھی اپنے بچوں کی طرح پیار کریں۔" وہ دور بستر پر لیٹے ہوئے ارحم کو دیکھنے لگ گیا۔

"اللہ میاں کیا دوسروں کے بچوں کو پیار کرنا مشکل کام ہے؟ اور۔۔۔ اور پتہ نہیں کیوں مگر۔۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ اگر میری ماما سمیرا مجھے چھوڑ کر نہ جاتی، تو مجھے طلحہ کی ماما کبھی تھپڑ نہ مارتی۔ پر میں اپنی ماما کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔"

وہ پندرہ سال کا تھا جب وہ اپنے دوستوں کی ضد پر ایک کوٹھے پر چلا گیا۔ کوٹھے پر لوگوں کا ہجوم دیکھے اس کا جی گھبرانے لگا۔ وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اسے یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔ کچھ تو تھا اس جگہ پر جس سے اس کو گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی آن دیکھی آتش اس کا سینہ جلا رہی تھی۔

چند پل بیتنے پر ایک طوائف نیلی فراک پہنے آدھے سر کو ڈوپٹے سے ڈھانپے رقص گاہ میں حاضر ہوئی، سب کو "آداب" کہا۔ پھر قالین پر خاص انداز میں بیٹھ گئی۔

"میں خراب ہوں تو مجھے چھوڑ دے

اِک دل ہی تو ہے، تو اسے توڑ دے"

حدید نے ایک نظر اسے دیکھا پھر منہ موڑ لیا۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں ایک گھنٹی بجی۔ وہ برق رفتاری سے رخ موڑے دوبارہ اسے دیکھنے لگا۔

تیری اُنسیت تب مجھ سے تھی

مگر اب نہیں تو مجھے چھوڑ دے

اس عورت کی سیاہ آنکھیں، تیکھی ناک اور گول چہرہ بہت حد تک حدید سے مشابہ تھا۔ اچانک ہی حدید کے ذہن میں وسوسوں کا ایک سیلاب برپا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں اور ماتھے پر پسینہ بہنے لگا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہجر کی گلیوں میں بھٹک رہا ہوں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

غلافِ ہجر میں لپٹا پڑا ہوں

راہِ فراق سے گزر رہا ہوں

طوفانِ دل سے نپٹ رہا ہوں

"نہیں۔۔۔۔۔ نہیں میری ماں طوائف نہیں ہو سکتی۔" حدید اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اچانک اس کے چہرے پر سفیدی پھیلنے لگی۔ "نہیں وہ طوائف ہے۔ وہ۔۔۔ وہ میری ماں نہیں۔۔ میری ماں نہیں ہو سکتی"۔ اس نے دل میں سوچا پھر ارد گرد واہ واہ کرتے نوابوں کو دیکھنے لگ گیا۔ پھر اس کی نظر اپنے دوستوں پر پڑی جو کہ حوس بھری نظروں سے اس طوائف کو گھور رہے تھے۔ حدید نے اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھولا۔ اس کی گھٹن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بازو کے بٹن کھول دیے۔ ندامت کی آگ تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

شاید کہ تم کبھی لوٹ ہی آؤ

کاش مجھے اپنا منتظر پاؤ

کہا ہے "شاید" فقط اس لیے

کہ نکل پڑا ہوں میں راہِ اجل پہ (بقلم ماہ نور رشید)

"کیا ہوا حدید تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ایک دوست نے پوچھا۔ تو حدید انجان نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اگر یہ جان گیا کہ یہ طوائف میری ماں ہے تو۔۔۔ میں تو شرمندگی سے ڈوب مروں گا۔ وہ خالی خالی نظریں اپنے دوست پر جمائے سوچنے لگا۔ اگر یہاں کوئی ایک شخص بھی جان گیا کہ میں طواف کی اولاد ہوں تو لوگ تھوکیں گے مجھ پر۔ راہ چلتے طعنے ماریں گے۔ اور لوگوں کی نظریں۔۔۔ وہ کھا جانے والی نظریں۔۔ ان کو میں کیسے برداشت کروں گا ۔۔۔۔ اچانک اس کے ذہن میں بدذات، بدذات، بدذات کے الفاظ گونجنے لگے۔ وہ یوں محسوس کرنے لگا جیسے پوری دنیا مل کر اسے بدذات بول رہی ہے۔ مگر وہاں سب اپنی مستی میں تھے۔ کسی کو اس کی پریشانی یا دکھ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ حدید دوبارہ اس طوائف کی جانب دیکھنے لگا۔ اچانک اسے وہ چہرہ بے حد برا لگنے لگا۔ وہی بیٹھے بیٹھے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مرتے دم تک اس چہرے سے نفرت کرے گا۔ وہ کبھی اس چہرے کو دوبارہ نہیں دیکھے گا ۔ مگر حدید کی آنکھیں صاف کہہ رہی تھیں کہ وہ نفرت نہیں کر پائے گا۔ اس کی آنکھوں کا ہر رنگ بتا رہا تھا کہ وہ اُٹھ کر اس عورت کے گلے ملنا چاہتا ہے۔ ایک بار اس کا ہاتھ چومنا چاہتا ہے اور کم از کم ایک بار اس کی گود میں سر رکھ کر پوری دنیا سے کنارہ کر لینا چاہتا ہے۔

"ماں۔۔۔۔"اچانک حدید کو ہر چیز اندھیرے میں ڈوبتی محسوس ہوئی۔آخری بار جو چیز اس نے دیکھی وہ اس طواف کے پاؤں میں لپٹی پائل تھی۔پھر ہر چیز مکمل تاریک ہو گئی۔

وہ حال میں لوٹا تو راکنگ چیئر پر بیٹھا ہاتھ میں خط تھامے بیٹھا تھا۔اگلی روز سمیرا کا خط نہ آیا تو اسے عجیب سی گھٹن محسوس ہونے لگی۔وہ خود کو کاموں میں مصروف رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔مگر اس کی توجہ۔سمیرا کی جانب ہی رہی۔اسے عجیب وسوسے آنے لگے۔

"خدایا! وہ ٹھیک تو ہو گی نا؟اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں ان سے نفرت نہیں کرتا۔بس کہتا ہو کہ نفرت کرتا ہوں۔میں۔۔۔۔میں بس ناراض ہوان سے۔نفرت اور ناراضگی الگ الگ جذبے ہیں۔"اس کا سمیرا کو لے کر خوف ہر لمحے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔آخر وہ ایک جگہ رک گیا۔

☆☆☆☆☆

"ستارہ۔۔۔۔ستارہ وہ آیا ہے"۔شبنم بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔تو ستارہ نے اپنا زخم دوپٹے تلے چھپا لیا۔فراک پر خون کے دھبے بھی دوپٹے تلے مخفی ہو گئے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ک۔۔۔کون آیا ہے۔"ستارہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔"کون آسکتا ہے۔"شبنم نے نرم گوئی کی۔چند لمحے ستارہ اچھنبے سے اسے دیکھے گئی۔پھر اس کی آنکھوں میں وہ چمک اتری جس سے اس کی حیاتی کا ہر اندھیرا مٹ گیا۔وہ فوراً بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بنا جوتا پہنے دروازے کی جانب بڑھنے ہی لگی تھی کہ وہ دہلیز پر آپہنچا۔وہ اسے دیکھے اچانک تھم گئی۔وہاں ہوا،پرندے یہاں تک کہ سانس بھی تھم گیا۔

"تم۔۔۔تم"وہ ایک ہی سانس میں بہت کچھ بولنا چاہتی تھی۔لیکن وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ بولے کیا۔پھر وہ بھاگ کر اس سے بغل گیر ہوئی۔جبکہ وہ پتھر بنا کھڑا رہا۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔اس کے چہرے سے بہار کی آمد کی خبر مل رہی تھی۔

"میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔"وہ بے رخی دکھاتے ہوئے بولا اور ستارہ کو خود سے علیحدہ کیا۔یہ سن کر ستارہ کے دل پر گہری چوٹ آئی وہ چند لمحے رک کر اسے تعجب سے دیکھتی رہی۔

Clubb of Quality Content

"ایسے کیسے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ایسے تھوڑی بات کرتے ہیں پگلا کہیں کا۔آؤادھر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"وہ روتے ہنستے بولی۔"میں اس غلیظ جگہ پر ایک لمحہ بھی نہیں رک سکتا۔" اس نے کمرے کی چھت کو حقارت سے دیکھتے کہا۔

"جبکہ وہ وحشت سے اسے دیکھے گئی۔اس کی آنکھوں میں پانی کی تہ نمودار ہوئی۔

"اچھا تم ناراض مت ہو۔تم یہ بتاؤاب تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔کھانا۔۔۔کھانا وقت پر کھاتے ہو نا۔اور سکول جاتے۔۔۔"وہ دیوانہ وار پوچھ رہی تھی کہ ایک دم چُپ ہو گئی۔اور اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔اسے یاد آیا کہ وہ اب پچیس سال کا ہو چکا تھا۔وہ اب سکول تھوڑی جاتا ہو گا۔جبکہ حدید اسکول کے نام پر معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"بیٹا کچھ تو بات کرو تمہاری خاموشی تو میری رہی سہی جان بھی نکال لے گی۔"وہ تڑپ کر بولی۔"آپ نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔بہت اچھا کیا۔میں آپ کا وہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا ستارہ بیگم۔"وہ انگارہ اگلتی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے غضب سے بولا۔

"میں۔۔۔میں بہت مجبور تھی۔میں۔۔۔میں تمہیں سب سمجھاتی ہوں آؤ بیٹھو۔"ستارہ نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو اس نے فوراً ہاتھ پیچھے کر لیا۔"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔"وہ دو قدم پیچھے کو

ہوا۔اسکا وہ بیٹا جس کے لیے اس نے ہمایوں کو چھوڑ دیا، بلکہ جینا بھی چھوڑ دیا،اسے خود کو چھونے تک نہیں دے رہا تھا۔وہ اس لمحے کئی بار مری ہوں گی۔یا کم از کم زندہ در گور تو کی گئی ہو گی۔ایک سناٹا ان کے درمیان چھا گیا۔

"شادی کر لی تم نے ہاں۔عمر تو تمہاری شادی والی ہو گئی ہے۔"وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔"نہیں کی۔اس خوف سے کہ میری بیوی بھی آپ کی طرح ہی کوئی عورت نہ نکل آئے ،جو شادی کے بعد اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ جائے اور اپنے بچے اور شوہر سے جان چھڑا لے۔"وہ دانت پیستے ہوئے غصے سے بولا۔

ستارہ اس کی زہر سے زیادہ زہریلی بات پر ہکا بکا رہ گئی۔اسکا بیٹا اسے بد کردار ہونے کا طعنہ دے رہا تھا۔کیا وہ سچ میں بد کردار تھی۔

"تم۔۔۔۔تم غلط کہہ رہے ہو میرے جگر۔"ستارہ کا وجود کانپنے لگا۔"اور آپ کے اس آشنا نے کیا کیا ہاں؟۔۔(وہ سانس لینے رکا)۔۔آپ کو اس کوٹھے پر بیچ کر خود فرار ہو گیا۔"حدید کی آنکھوں سے سیال مائع کا ایک قطرہ رخسار پر بہ نکلا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں۔۔۔ نہیں میرے لال یہ جھوٹ ہے۔ تہمت ہے میرے کردار پر۔" وہ تڑپ کر اس کے قریب ہوئی۔اس۔۔۔۔اس غلیظ آدمی نے تمہیں غلط بتایا ہے۔خدا غارت کیوں نہیں کرتا اس شخص کو وہ؟" وہ شدتِ درد سے چلا اٹھی۔

"کیوں غارت کرے ہاں؟ کیو غارت کرے؟ اس لیے کہ اس شخص نے اپنے بیٹے کو محبت سے پالا ہے۔ یا اس لیے وہ سالوں بھر آپ کے غمِ ہجر میں تڑپتا رہا۔" وہ ایک دم پھٹ پڑا ۔جبکہ وہ چپ چاپ افسردگی سے لب کاٹتی رہی۔

"میرے خلاف اس نے اتنا زہر تمہاری رگوں میں اتار دیا ہے کہ تم اپنی ماں سے نفرت کرنے لگے ہو۔" وہ غم کے ملبے تلے دب چکی تھی۔وہ اب نظریں زیر کیے کھڑا تھا۔

"افسوس صد افسوس۔وہ آج بھی آپ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہیں۔اور آپ۔۔۔ آپ تو اپنے گناہوں پر شرمندہ تک نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں دکھ سے بولا۔جبکہ وہ حدید پر نظر جمائے پتھر ہو گئی۔اچانک سمیرا کے سارے الفاظ ختم ہو گئے پھر چند لمحے کے لیے سناٹے نے سر اٹھایا۔

"تمہارا علاج کیسا رہا۔اب دل میں کوئی مسئلہ تو نہیں؟" وہ موضوع گفتگو بدلتے ہوئے بولی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"علاج؟۔۔۔کیسا علاج؟اور میرے دل کو کیا ہوا ہے جو علاج کی ضرورت ہو؟"وہ حیرت سے بولا تو ستارہ کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے۔

"تمہارا دل بدلا تھا نا طعیبوں نے۔تب۔۔تم تب ایک سال کے بھی نہیں تھے۔تم۔۔تم یہ بات نہیں جانتے کیا؟"وہ کچھ حیران ہوئی۔

"میرا دل بدلہ تھا؟"وہ سکتے کی کیفیت میں بدقت بول پایا۔"اب یہ کوئی نیا فریب ہے یا نہیں کہانی؟جس سے آپ مجھے میرے باپ کے خلاف ورغلا سکیں۔"وہ دکھ سے آہستہ آواز میں گویا ہوا۔"مطلب سچ میں تمہارا دل کا۔۔۔وہ کیا بولتے ہیں؟۔۔ہاں۔۔آپریشن ۔۔آپریشن نہیں ہوا؟"وہ سوچتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔"وہ رخ موڑتے ہوئے چند قدم فاصلے پر پڑے آئینے کو گھورنے لگا ۔وہ سکتے کی کیفیت میں چلی گئی۔

"میں یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتا۔"اس نے مزید کہا۔دوبارہ خاموشی چھا گئی۔"میرے ساڑھے پانچ ہزار خطوط کے بعد تم صرف پانچ منٹ کی ملاقات کو آؤ۔یہ کہاں کا رحم ہوا؟وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کا رخ نیلے پینٹ والی دیوار کی طرف کیے بولی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جب کہ وہ تراشے ہوئے پتھر کی مانند چپ کھڑا رہا۔"پھر کب آؤ گے؟"اسے خاموش پا کر وہ خود ہی بول پڑی۔

"جس روز سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔جس روز عدالت لگے گی۔عادل کی عدالت۔اس روز آؤں گا تب میں آپ سے ایک سوال پوچھوں گا۔"وہ ستارہ کی آنکھوں میں دیکھے بڑے حزن کی کیفیت میں بولا،جو کہ پتھر آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"وہ یہ کہ بچہ پیدا کرنے کے بعد ساری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہیں کیا؟اور اسے پیدا کر کے یوں چھوڑ جانا چاہیے تاکہ وہ پل پل اپنی ماں کے لیے تڑپتا رہے۔"حدید کی آنکھوں میں نمی چمکی۔جبکہ ستارہ غم کے باعث لب کاٹنے لگی۔اس کے آنسوؤں کی روانی تیز ہو گئی۔

اس کے بعد وہ ٹھہرا نہیں بلکہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

"رکو۔۔رکو؟"وہ اچانک تڑپ کر اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔جب کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا بنا پلٹ کر اسے دیکھے پتھریلی راہداریوں سے گزرتا رہا۔"رکو ابھی مت جاؤ۔تم۔۔تم میری سالوں کی ریاضت کا ثمر ہو۔تم ایسے نہیں جا سکتے۔"کوٹھے کی دوسری طوائفیں اپنے کام کاج چھوڑ کر انہی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم یوں اپنی ماں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" رو رو کر اس کا گلا رندھ چکا تھا۔ جب کہ وہ تیز تیز قدم چلتا رہا۔ اچانک دھڑم کی آواز آئی اور حدید کے قدم زنجیر ہو گئے۔ اس کے دل ضرب لگی۔ وہ پلٹا تو ستارہ منہ کے بل زمین پر گری ہوئی تھی۔

"ماں۔۔۔" چلا کر دوڑتے ہوئے وہ اس تک پہنچا۔ گرنے کے باعث ستارہ کا دوپٹہ ماتھے سے ہٹ گیا۔ جس سے سلمہ بیگم کا دیا ہوا گھاؤ چھپایا ہوا تھا۔ اب وہ گھاؤ ظاہر ہوا اور زخم تازہ ہو گیا ۔اس کے ماتھے سے دوبارہ خون کا چشمہ جاری ہوا۔

"تُو۔۔۔ تُو نے مجھے ماں کہا؟" وہ لبریز آنکھیں لیے زمین پر لیٹی تھوڑا اٹھ کر بولی۔ حدید نے اس کا ہاتھ تھامے اسے کھڑا کیا۔ "میں آپ کو بھی ہسپتال لے کر جاتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے ستارہ کو اپنے کندھوں کے سہارے کھڑا کیا۔

"ہسپتال کو دفع کرو بس ایک بار۔۔۔ ایک بار پھر مجھے ماں کہہ دو۔" وہ اپنا زخم جیسے بھول ہی چکی ہو۔ "چلو ماں ہسپتال چلتے ہیں۔" حدید کے نین بھی بھیگ چکے تھے۔ وہ اسے لیے تیز تیز قدم چلنے لگا۔ اچانک سلمہ بیگم سامنے آ رکی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

"اس کوٹھے سے کوئی طوائف باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ میری اجازت کے بغیر تو قطعاً نہیں۔ اس لیے یہ کہیں نہیں جاسکتی۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولی۔ حدید نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر اپنی ماں کے زخم کی طرف زخمی نظروں سے دیکھا۔

اس نے اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر سلمہ بیگم کے ہاتھوں میں زبردستی تھما دیے۔ پھر بنا کچھ بولے ہاتھ سے "تخلیہ" کا اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے حیرت سے پیسوں کو پھر حدید کو دیکھے گئی۔ پھر اس کے غصے کی جگہ ایک مسکراہٹ نے لے لی۔ وہ فوراً راستے سے ہٹ گئی۔

"یاد رہے تین گھنٹوں کے اندر اندر یہ مجھے کوٹھے پر چاہیے۔" سلمہ بیگم نے بلند آواز میں ان کے پسِ پشت کہا۔

☆☆☆☆☆

وہ دراز قد آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بازوں پر کف لنکس لگا رہا تھا۔ وہ سیاہ پینٹ کوٹ زیب تن کیے بہت دلکش لگ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

"سر اللہ کے فضل سے یہ اس سال کی تیسری ڈونیشن ہے۔جو یو اے ایم کمپنی ضرورت مند افراد تک پہنچا رہی ہے۔اس ڈونیشن سے ہماری کمپنی کی ریپوٹیشن کو چار چاند لگ جائیں گے۔"عاشر جو کہ اس کا سیکرٹری تھا بڑے خوشگوار لہجے میں بول رہا تھا۔

"جو ڈونیشن چار چاند لگانے کے لیے دی جاتی ہے وہ آپ کی قسمت پر گرہن لگا دیتی ہے۔ کیونکہ وہ ریاکاری کے سوا کچھ نہیں۔"وہ سنجیدہ لہجے میں بولتا ہوا اپنے بال سیٹ کرنے لگا۔ آئندہ میرے سامنے ایسی باتوں سے پرہیز کریے گا عاشر صاحب۔"اس نے آئینے سے نظریں ہٹاتے ہوئے سپاٹ چہرہ لیے کہا۔

"جی۔جی سر۔"عاشر کچھ خجھل سا ہوا۔اس کے بعد وہ اس شاندار عمارت کی کارپٹ سے سجی راہداریوں سے گزرتا ہوا گاڑی تک جا پہنچا۔

ڈرائیووے پر پانچ گاڑیاں ایک ساتھ کھڑی تھی اور وہ ایک سے بڑھ کر ایک گاڑی تھی۔وہ گاڑی میں سوار ہوا پھر گاڑی لاہور کی مصروف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔وہ زیادہ بات چیت کرنے کا عادی نہیں تھا۔وہ ابھی ایک ماہ پہلے ہی بنگلہ دیش سے آیا تھا۔وہ اپنا سارا بزنس بنگلہ دیش میں چلا رہا تھا۔پاکستان میں وہ محض ڈونیشنز کے لیے آیا کرتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سر بنگلہ دیش واپسی کب ہے؟" عاشر جو کہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا بیک ویو مرر سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ جب کہ وہ گہری سوچوں میں گم پایا گیا ہوں۔

"واپسی؟"۔۔۔وہ عاشر کی بات پر چونکا پھر گاڑی سے باہر اس کی نظر مینار پاکستان پر پڑی۔ ابھی کوئی پلان نہیں ہے۔" اب وہ مینار پاکستان کے ساتھ ہی تعمیر شدہ بادشاہی مسجد کو بڑی تعظیم سے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ سارا دن ضرورت مندوں اور حقداروں تک خیرات پہنچاتا رہا۔ دن بھر کی تھکن کے بعد اس کا بدن دکھنے لگا تھا۔ اب اس کا مکمل ارادہ تھا کہ وہ صرف آرام کرے گا۔

یہ آرام کا ارادہ اس وقت تک قائم رہا جب تک اسے ایک فون کال نہ اسے موصول ہوئی۔ وہ کال سننے کے فوراً بعد خود کو بہت کمزور محسوس کرنے لگا۔ اکثر ہی وہ ایسے خود کو لاچار اور بے بس خیال کرنے لگتا تھا۔ بعض اوقات وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دور جنگلوں اور بیابانوں کی طرف بھاگنے کی سوچتا۔ مگر وہ کبھی اس دنیا سے دور نہیں جا پایا۔ اس کے کندھوں کا بوجھ اسے فرار ہونے سے روک لیتے تھے۔

☆☆☆☆☆

"شبنم۔۔" وہ ایک پارٹی پر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جہاں وہ غزل گانے والی تھی۔

"ہوں؟۔۔" شبنم جو کہ اس کے چہرے پر بیس لگا رہی تھی۔ اپنا کام جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تمہیں میری بیٹی ہونا چاہیے تھا۔ تم بالکل ایک بیٹی کی طرح میرا خیال رکھتی ہو۔" ستارہ دھیما سا مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم نے بھی تو ایک دوست اور ماں کی طرح مجھ سے محبت کی اور عقیدت کا تعلق استوار کیا۔ پر اپنے بیٹے کے معاملے میں تم مجھے ذرہ اچھی نہیں لگتی۔ ورنہ تم غضب عورت ہو۔" شبنم بھی اسے خوش دیکھے کھل اٹھی۔ ستارہ کی مسکراہٹ ہنوز تھی۔

"پتہ نہیں کیوں، مگر مجھے لگتا ہے کہ یہ دن اس کوٹھے پر میرا آخری دن ہے۔" وہ آئینے میں اپنی صورت کو دیکھتے بولی۔ جہاں پچھلے پچیس وروں کے غم گوند کی مانند چپکے تھے۔

"یہاں سے بھاگنے والی ہو کیا؟" شبنم رُک کر فکر مندی سے بولی۔ ستارہ کھلے دل سے مسکرا دی۔ "ایسا تو کوئی خیال نہیں، مگر پتہ نہیں آج کا دن بہت عجیب لگ رہا ہے۔ جیسے ماضی کا کوئی ورک الٹنا ہو۔" اب وہ دوبارہ پہلے والی افسردہ ستارہ بن گئی۔

"ستارہ تم اس بات پر پریشان ہونا کہ تمہارا بے حس بیٹا تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے کر گیا۔ بلکہ ہسپتال سے واپس یہیں سے چھوڑ گیا۔" شبنم سنجیدہ ہو کر اس سے پوچھنے لگی تو ستاروں نے نظر جھکا لیں۔

"تم پریشان مت ہو۔ تم جیسے نفیس لوگ اچھا اختتام پاتے ہیں۔" شبنم دوبارہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے بولی۔

"نفیس لوگ یا نفیس طوائف۔" سمیرا کے جملے سے دوبارہ ماحول میں افسردگی محلول ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

تین گھنٹے بیتنے پر وہ ایک شاندار گھر میں جا پہنچا۔ اس چمکتے دمکتے گھر کے لان میں ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں بزنس کمیونٹی کے لوگوں کا ایک سیلاب برپا تھا۔ وہاں کچھ نیوز رپورٹرز بھی اس محفل کا حصہ تھے۔

"واہ بھائی ہم غریبوں کی تقریب میں بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔ ہمارے تو نصیب ہی جاگ اُٹھے۔" حامد صاحب بڑی خوشی سے بولتے ہوئے اس کی جانب بڑھے۔ حامد کے

ساتھ اس کے کچھ کاروباری تعلقات تھے۔اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مصنوعی مسکراہٹ دوڑ آئی۔

"ہم کہاں بڑے لوگ ہیں صاحب۔ بڑے تو آپ ہوئے عمر میں بھی اور تجربے میں بھی ۔"وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔حامد صاحب ہنس دیے۔

"یہاں اکیلے کیوں کھڑے ہو۔آؤ تمہیں کچھ ڈوبتی کشتیوں سے ملواتا ہوں۔"وہ طنزاً اسے گھورتے ہوئے آگے چلنے لگے۔حامد پاکستان کی کامیاب کاروباری شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ہر کسی سے ہنسی مذاق کرنا اور بھری مجمع میں کسی کو احسن انداز میں بے عزت کرنا کوئی ان سے سیکھے۔

"یہ ہے ڈاکٹر راحیل چوہدری۔اگرچہ ان کا کاروبار ٹھپ ہو رہا ہے۔مگر اُمید۔۔۔اُمید پر دنیا قائم ہے۔"حامد صاحب نے راحیل کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔

پوری محفل میں راحیل خجھل ہوا۔جبکہ وہ جو حامد صاحب کی پیروی میں آرہا تھا اب آگے بڑھ کر راحیل چوہری کے مدمقابل کھڑا ہو گیا۔"اور یہ ہمایوں دورانی یو۔اے۔ایم گروپ

آف انڈسٹریز کے اکلوتے وارث۔"ہمایوں کے تعارف نے راحیل کو سکتے میں جانے پر مجبور کر دیا۔چند لمحے وہ منہ کھولے اسے اور اس کے قیمتی لباس کو گھورتا گیا۔

"ہمایوں۔۔"وہ بدقت یہی بول پایا۔جب کہ ہمایوں کا چہرہ ہر تاثر سے پاک تھا۔وہاں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔"ہمایوں سر آپ اسے جانتے ہیں؟"حامد صاحب حقارت سے راحیل کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"نہیں۔۔۔میں صرف انسانوں کو جانتا ہوں اور ضمیر فروش انسان نہیں ہوتے۔"اس نے اپنے جوتوں سے زمین پر عادتاً ہلکی ہلکی ٹھوکر لگاتے کہا۔"میری طبیعت کچھ بگڑ رہی ہے میرے خیال میں مجھے اب چلنا چاہیے۔"وہ حامد کی جانب معذرت خواہاں انداز میں گویا ہوا ۔پھر چلنے کو مڑا اور گھاس سے قدم بڑھاتا آگے بڑھ گیا۔حامد نے اسے نہیں روکا۔وہ جانتا تھا ہمایوں نہیں رکے گا۔

"پورا دکھ اور آدھا چاند۔ہجر کی شب اور ایسا چاند۔"

ایک نسوانی سوت سے بولا جانے والا یہ شعر ہمایوں کے کانوں سے گزرتا دماغ تک پہنچا۔ایک لمحے کی دیری کیے بغیر اس کے دماغ نے اسے پراسس کیا۔اور وہ جان گیا کہ یہ آواز کس کی ہے۔

"دل میں وحشت بہل گئی۔رات ہوئی اور نکلا چاند"

سنتے ہی اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ اسی کی آواز ہے۔پر وہ یہاں؟انجان لوگوں کی بھیڑ میں؟ہمایوں وہاں کھڑے کھڑے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔کاش میں غلط ہوں رہا۔وہ میری سمیرا بالکل نہ ہو۔

"کس مقتل سے گزرا ہو گا۔اتنا سہما سہما چاند"

اس نے ستا ہوا چہرہ لیے دل میں فریاد کی۔اس کے سینے میں اچانک ابال اٹھنے لگا۔

"یادوں کی آباد گلی میں۔گھوم رہا ہے تنہا چاند"

وہ نہ چاہتے ہوئے پلٹا اور اس آواز کی سمت چلنے لگا۔

"میری کروٹ پر جاگ اُٹھے۔نیند کا کتنا کچا چاند۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس شعر سے اس کی سمت واضح ہوئی۔ تمام لوگ سٹیج کے گرد ہجوم کی شکل میں ہاتھوں میں جوس یا شراب کے جام پکڑے کھڑے تھے۔اب وہ بے جان قدموں سے چلتا ہوا ہجوم کو کاٹتے ہوئے اسٹیج کے قریب پہنچ گیا۔

"اتنے گھنے بادل کے پیچھے۔کتنا تنہا ہو گا چاند"

"وہ۔۔۔وہ چاہے اب میری نہیں رہی۔ مگر پھر بھی۔۔ پھر بھی وہ ایسا نہیں کر سکتی۔وہ تو محلے میں بھی کبھی کیسا شخص سے بات نہیں کرتی تھی۔" وہ خود کو جھوٹے دلاسے دیتا اس جگہ تک پہنچ ہی گیا۔

"آنسو روکے نور نہائے۔دل دریا تن صحرا چاند"

ہمایوں کو وہ نظر آچکی تھی۔اسے وہ سیاہ فراق زیبِ تین کیے اسٹیج پر بیٹھی بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔اسے دیکھیں ہمایوں کے دل پر کوڑھے لگے۔اس کا دم گھٹنے لگا۔اس نے فوراً ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔اس کے ماتھے سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔

جب پانی میں چہرہ دیکھا، تو نے کس کو سوچا چاند

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ ہاتھوں کو خاص انداز میں ہلاتی ہوئی بول رہی تھی۔اس کے کانوں میں بڑے بڑے جھمکے، بالوں میں موتیے کے پھولوں کے گجرے، ہاتھوں میں مہندی سب کچھ۔۔۔سب کچھ ہے مایوں کے لیے زہر سے بڑھ کر تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ایسا لباس اور ایسے انداز میں غزل گوئی کرنے والی عورت طوائف کہلاتی ہے۔جو شرافت کا سودا کر کے پیٹ پالتی ہے۔اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔وہ ایک بڑا بزنس مین بن چکا تھا۔یوں ایک طوائف کے ساتھ اس کی جان پہچان ہونا اس کی ریپوٹیشن کو کوڑھیوں کے برابر کر سکتا تھا۔وہ اسے سفید پڑھتے چہرے کے ساتھ سے دیکھتا رہا۔پھر اچانک ہی بے جان قدم اُٹھاتا اس کی جانب بڑھنے لگا۔

رات کے شانے پہ سر رکھے، سپنا دیکھ۔۔

وہ مصر مکمل کرنے سے قبل ہی ہمایوں کو دیکھ چکی تھی۔ہمایوں کو دیکھتے ہی اس کی آواز دم توڑ گئی۔سانسیں تھم چکی تھیں۔ارد گرد بجنے والی موسیقی کی آواز اور لوگوں کی سرگوشیاں سب ختم ہو گیا۔وہ اس کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔لوگ بھی وہاں سے غائب ہوتے جا رہے تھے۔وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ہجر کا درد دیکھ چکے تھے۔ہمایوں نے محسوس کیا وہ اب

تھک چکی ہے۔وہ سکون چاہتی ہے۔ہمایوں نے اس کی کلائی تھام لی۔وہ کھڑی ہوئی۔اٹھنے کے باعث اس کے پیروں پر جھومتی پائل نے شور پیدا کیا۔وہ بنا کچھ بولے،اسے لیے ہجوم کو چیرتے ہوئے،بے جان قدموں سے چلتا رہا۔

"ہمایوں سر!آپ کے اس طوائف کے ساتھ کیا تعلقات ہیں؟"پارٹی میں کچھ نیوز رپورٹر بھی موجود تھے اور انہی میں سے ایک نے سوال ڈاغا۔سر کیا آپ اس طوائف کو جانتے ہیں؟ کیا آپ اس سے شادی کرنے والے ہیں؟طوائفوں سے شادی کون کرتا ہے؟یہ تو صرف معاشرے کا گند ہیں۔"کیمروں کے فلیش چمکتے گئے اور زبانیں زہر اگلتی گئیں۔مگر وہ دونوں سُن تھے۔نہ انہیں کوئی فلیش دکھائی دیا۔نہ ہی کسی منہ سے ٹپکتی غلاظت سنائی دی۔

"تم گاڑی میں بیٹھو۔میں انکے منہ پر تالا لگا کر آتا ہوں۔"ہمایوں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے اور تکان زدہ چہرے پر دھیمی مسکان لیے گویا ہوا۔پھر پلٹ گیا۔

"ہمایوں۔۔۔"پچیس سال بعد اس نے ہماریوں کا نام پکارا تھا۔وہ فوراً ہی بے قراری سے مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"مت جاؤ ہمایوں۔۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی اور وہیں گاڑی کے قریب کھڑی رونے لگی۔

☆☆☆☆☆

اسے گھنگروؤں کی جھنکار سنائی دی۔وہ ارد گرد دیکھنے لگا۔مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ چند لمبے لمبے سانس لینے لگا۔پھر الماری کی جانب بڑھ گیا۔اس نے الماری سے ایک فوٹو فریم نکالا اور اسے لیے راکنگ چیئر پر بیٹھ گیا۔وہ بڑی حسرت سے نسرین کی تصویر کو دیکھتا رہا۔ وہ اسے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔اسے نسرین کے ساتھ کہ اپنے برے برتاؤ پر پچھتاوا بھی تھا۔وہ ہر رات سونے سے قبل اس کی تصویر ضرور دیکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆

بیس سال قبل

ہمایوں کی بات پکی ہونے سے قبل ہی خالہ کی وفات ہو گئی۔ جس کے باعث ہمایوں نے دوسری شادی نہ کی۔اس نے خود کو معمولاتِ زندگی میں مصروف کر لیا۔ایک روز دروازے پر دستک ہوئی تو ہمایوں نے دروازے پر اسی بزرگ کو پایا جس کے گھر اس نے سمیرا کے ساتھ شہر میں چند روزہ قیام کیا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے بچے کی رپورٹس تو ان کے گھر ہی رہ گئی تھی۔انہوں نے رپورٹس کے بارے میں مزید معلومات فراہم کی۔ جس سے ہمایوں دنگ رہ گیا۔

ہمایوں نے روداد ان کی سماعت کی نظر کی۔وہ بزرگ اشکبار ہو گئے۔ پھر وہ اپنے بارے میں بتانے لگے۔انہوں نے بتایا کہ نام شاہ جہان ہے۔ان کا اکلوتا بیٹا کارگل میں شہید ہو چکا ہے۔ ان کی زوجہ بھی اسی غم سے دنیا سے رخصت ہو گئی۔چند ماہ بعد ہمایوں روزگار کے سلسلے میں شہر چلا گیا۔وہاں دربدر کی ٹھوکروں کے بعد بھی اسے کوئی نوکری نہ ملی۔وہ دوبارہ اس شاہ جہان کے گھر جا پہنچا۔وہ آدمی ہمایوں کو اپنی دہلیز پر پا کر بہت خوش ہوا۔

ہمایوں نے انہیں اپنا مسئلہ بتایا تو انہوں نے چٹکیوں میں حل کر دیا۔انہوں نے ہمایوں کو ملازمت کے سلسلے میں اپنے گھر پر رکھ لیا۔اگلے تین سال تک ہمایوں نے نہایت ایمانداری

اور خلوص سے کام کیا۔وہ ہمایوں سے بہت متاثر تھے۔وہ اسے بیٹا ہی سمجھنے لگے تھے۔وہ کھانا ہمایوں کے ساتھ ہی کھایا کرتے تھے۔جبکہ ہمایوں کو اپنے مالک کے ساتھ ایک ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا تھوڑا معیوب لگتا تھا۔

اب وہ بیمار رہنے لگے تھے۔ان کے فوت شدہ بیوی بچے کے بعد ان کا کوئی نہ تھا۔تو ہمایوں نے ان کی بہت دیکھ بھال کی۔مگر وہ جان گئے تھے اس کے سانسوں کی ڈور ٹوٹنے والی ہے۔

انہوں نے اپنا سب کچھ گھر بار جائیداد اور بنگلہ دیش میں ان کی تمام فیکٹریاں سب کچھ ہمایوں کے نام کرنے کا فیصلہ کیا۔چند لمحے ہمایوں سکتے میں چلا گیا۔مگر جونہی ہوش سنبھالا تو اس نے یہ سب لینے سے انکار کر دیا۔پھر بزرگ آدمی اسے سمجھاتا رہا۔مگر ہمایوں نے ایک نہ سنی۔وہ کیسے کسی اجنبی سے یہ سب لیتا۔اور وہ خوددار تھا۔چند روز بعد ان کی طبیعت بہت بگڑ چکی ہے۔اور اب وہ بضد تھے کہ لازماً اپنا سب کچھ ہمایوں کے نام کرنا چاہتے تھے۔مگر کاروبار کے نام پر وہ آج بھی انکار کر رہا تھا۔مگر اس بزرگ شخص نے زبردستی اپنا کاروبار ہمایوں کو سونپ دیا۔جس سے ہمایوں کو ایک نئی شناخت ملی۔وہ ہمایوں سلطان سے ہمایوں درانی بن گیا۔ان بزرگ کی وفات کے بعد ہمایوں کاروبار کے سلسلے میں بنگلہ دیش چلا گیا۔پھر اس نے مستقل

طور پر وہیں رہائش اختیار کی۔اس کا یہ خیال تھا کہ سمیرا اور راحیل اب بھی شادی کے بندھن بندھے ہیں۔

اس لیے اس نے اس راہ پر واپسی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا۔ مگر وہ اسے بھول نہیں پایا۔ نہ ہی وہ اپنا بچہ فراموش کر پایا۔ وہ ہر سال پاکستان آنے پر اپنے گاؤں والے گھر میں چند دن ایسے ہی گزارتا تھا۔ جیسے وہ پہلے سادگی سے زندگی جی رہا تھا۔ جب حدید گاؤں گیا تو ہمایوں اتفاقاً وہی موجود تھا۔اس نے کاروبار سے ہونے والے نفع کا زیادہ تر حصہ ڈونیشن اور چیرٹی پر سرو کیا۔اس کی کوشش یہی تھی کہ اب کوئی بھی ہمایوں اور سمیرا غربت کے باعث جدا نہ ہوں۔اب کسی کی بھی مجبوریاں اسے جیتے جی نہ مار ڈالیں۔

☆☆☆☆☆

"اس نے ہمارے بچے کے دل میں نفرت پیدا کر دی ہے۔ وہ، میرا معصوم بچہ، مجھے دیکھنا تک پسند نہیں کرتا۔" وہ ہمایوں کے گھر صوفے پر بیٹھی کھوئے کھوئے انداز میں بول رہی تھی۔

"ہمارا حدید تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔ جس وقت سچائی جانے گا تو دوڑتا ہوا آئے گا اور تمہارے پیر چومے گا۔" ہمایوں اُس کے پاس زمین پر گھٹنے ٹیکے بیٹھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے سمیرا کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔"تم سچ کہہ رہے ہو ہمایوں؟"اس کے بے حال چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ دوڑ آئی۔ جس میں آنسوؤں کی زیادتی تھی۔ ہمایوں نے جواباً، اثبات میں سر ہلایا۔اس کا چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

وہ جب سے پارٹی سے لوٹا تھا، چہرے کی سفیدی میں ذرا برابر بھی کمی نہیں آسکی۔"حدید کا دل کبھی ناکارہ نہیں تھا، سمیرا۔ وہ ایک تندرست بچہ تھا، جو صرف وقتی طور پر بیماری کا شکار تھا۔"ہمایوں نے ٹیبل پر پڑے لیمپ کو دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

"کیا اس کا دل۔۔۔"سمیرا کو حیرت نے یوں جکڑا کہ الفاظ اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے۔

"پر وہ رپورٹس؟ان رپورٹس کا کیا۔۔۔؟"وہ خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوئی۔

"جعلی تھیں۔ ہماری طلاق کے بعد اس نے بچے کو امریکہ کی بجائے اپنے دوست کے گھر چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ وہاں رکھا۔ پھر شادی کے بعد وہ اپنے پاس لے آیا۔"وہ اب بھی لیمپ سے نکلتی سنہری روشنی کو دیکھتے گویا ہوا۔

"اتنا بڑا دھوکہ؟"وہ کہتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔اس کے ماتھے سے پسینے کی بوندیں گرنے لگی۔ وہ اپنے بے جان وجود کو لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ہمایوں اسے دیکھ کر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہاں۔۔ہاں۔۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگی۔ "مجھے آرام کرنا ہے۔" وہ مزید بولی۔

"میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دیتا ہوں"۔اس نے اس کو کندھوں سے تھاما اور کمرے میں بستر پر لٹایا۔ "وہ کسی ڈرے سہمے بچے کی طرح لگ رہی تھی۔آج کی رات بہت گہری کالی تھی۔وقفوں کے ساتھ بجلی کی کڑک دل کو دھلا رہی تھی۔جس سے تند و تیز روشنی اس محل نما گھر کو چمکا رہی تھی۔

چند ساعتیں بیتنے پر وہ اپنے گھر میں جائے نماز پر بیٹھا تھا۔کمرے میں نیم تاریکی چھائی تھی۔

"میں جب بے اولاد تھا۔تب صبر کیا۔تیرا نام لیا۔تیری حمد کی۔" وہ دونوں ہاتھ چہرے کے آگے پھیلائے بہت ہی نرم لہجے میں بول رہا تھا۔ "تجھ سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہ کی۔" وہ جائے نماز پہ بیٹھا شیشے کی بڑی کھڑکی سے باہر تاریک لان میں نظر ٹکائے ہوئے تھا۔

"پھر تو نے اولاد سے نوازا۔ابھی اس کی پیدائش پر پوری طرح مسرتیں بھی نہ دیکھی کہ تو نے اِتنے بڑے حادثے سے دوچار کر دیا۔" بجلی کی چمک سے ہمایوں کی آنکھوں میں پانی کی تہہ چمکی۔ "میری سمیرا چلی گئی۔میرا حدید چلا گیا۔میں نے صرف تیری حمد کی کوئی گلا نہ کیا۔

زندگی میں تو نے مال و دولت دی۔ کیوں؟ تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی اس کی چاہ نہیں کی۔"

باہر بارش کے قطرے گرنے کی آواز آنے لگی۔

"آج میری عزت سمیرا بھرے مجمعے میں بدکردار لوگوں کے سامنے بے پردہ بیٹھی تھی۔ وہ گزشتہ بچیس سال سے اس طرح بدنام ہو رہی ہے۔ اور تُو نے اسے رسوا ہونے دیا۔ اسے بچایا تک نہیں۔ مگر مجھے بھی بھنک تک نہ لگنے دی۔ اور۔۔ اور وہ تیرا بندہ؟ راحیل۔ وہ کچھ اور ہی شے ہے۔ اور میں کچھ اور ہوں۔ میں آج ایک گناہ کی تجھ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ قتل کی معافی۔" بارش کا شور بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ "مجھے شرافت نے صرف ذلت ہی دی ہے۔ لیکن آج شریف بن کر ذلیل ہونے کا شوق اور حوصلہ دونوں ہی میرے اندر سے نکل چکے ہیں۔ ہمایوں کل رات کے چاند کی آمد سے قبل بدل جائے گا۔ تہجد میں تیری رضا مانگنے کے لیے پھیلائے جانے والے یہ ہاتھ کل خون سے رنگے ہوں گے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو کا قطرہ باہر نکلا۔ "اس شخص نے میری پارسا عورت کو کوٹھے پر بیچ ڈالا۔" وہ دانت پیستے بول رہا تھا اور مزید آنسو گر رہے تھے۔

"اب وہ مرے گا ضرور مرے گا۔ لیکن میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔اب ہمایوں کبھی نہیں لوٹے گا۔نہ تیری تہجد میں،نہ کبھی روشن راہ پر، تیرا ہمایوں اب تاریکیوں میں گم ہو جانا چاہتا ہے۔جہاں سب تیرے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا۔"اس کا چہرہ آنسوؤں سے مکمل تر تھا۔

"جہاں حلال و حرام، صحیح اور غلط، جائز و ناجائز کسی چیز کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ایسا میں کبھی نہ کرتا۔بالکل بھی نہ کرتا۔اگر تُو نے اسے اس کے اعمال پر بھیانک سزا دیے دی ہوتی۔ مگر خیر۔اب میں یہ سب کروں گا۔"اس نے کہتے ہوئے ہاتھ منہ پر نہیں پھیرے، بلکہ دونوں ہاتھ اپنی گود میں گرا دیے، پھر شیشے کی کھڑکی سے باہر بارش کو گھورنے لگا۔وہ جائے نماز طے کرتے اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے قدموں کی چاپ سنی۔

☆☆☆☆☆

ارحم صبح سے اپنے کشمیر کے دورے پر لیے جانے والے فوٹو گرافز کو ڈھونڈ رہا تھا۔ایک ملازم سے پتا چلا کہ وہ ایلبم سٹور روم میں ہے۔

"ارحم بیٹا میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے۔"بوڑھے ملازم نے کہا تو ارحم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔"سٹور روم میں ایک صندوق پڑا ہے۔تمہاری ماں نسرین کا صندوق۔تمہاری

ماں نے کہا تھا کہ جب میرا بیٹا بڑا ہو جائے تو اسے وہ صندوق دے دینا۔" وہ ملازم اب خوف کے تحت کپکپا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں لے لیتا ہوں مگر آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟" ارحم ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے گویا ہوا۔

صندوق دیکھ کر آپ بھی پریشان ہو جائیں گے۔۔" ملازم نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور کچن کی جانب چل دیا۔

وہ سیدھا سٹور روم چلا گیا۔ وہاں وہ ٹیبل پر پڑے ہوئے ایک ایلبم کو اٹھایا۔ اس کی نظر ایک پرانے صندوق پر پڑی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اسے یاد آیا کہ وہ اس کی ماں نسرین کے دھیج کا صندوق ہے۔ وہ زمین پر گھٹنے ٹیکے صندوق کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے صندوق کھولا تو اندر سے قرآن مجید کے بیس پارے نکلے۔ جنھیں ریشم کے دھاگے سے کپڑے پر گاڑھا گیا تھا ۔اس میں کچھ پرانے کپڑوں کے علاوہ ایک ٹیپ ریکارڈر بھی موجود تھا۔ اس نے وہ صندوق اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے گیا۔ رات کو ٹیپ ریکارڈر چلایا تو اس سے ملنے والی معلومات نے اس کی رونگٹے کھڑے کر دیے۔ اسے خود سے گھِن آنے لگی۔

☆☆☆☆☆

"آج کی تازہ خبر مشہور و معروف بزنس مین راحیل چودھری کی کل رات موت ہو گئی۔" ٹی وی سکرین پر نیوز رپورٹر صبح آٹھ بجے یہ خبر سب کی سماعت کی نظر کر رہی تھی۔

جبکہ ہمایوں اور سمیرا ٹی وی کے سامنے دم روکے وہ خبر سن رہے تھے۔

"غضب خدا کا۔" سمیرا نے خود کو سرگوشی کرتے سنا۔ پھر ہمایوں کی جانب تعجب سے دیکھنے لگی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پریشان مت ہو۔ اگر وہ رحیم ہے تو وہ عادل بھی ہے۔ اپنے بندوں کے ساتھ عدل بھی تو کرے گا ناں۔" ہمایوں نے ٹی وی بند کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ اس کا چہرہ مکمل سپاٹ تھا۔ وہاں نہ تفاخر تھا، نہ مسرت اور نہ حزن۔

☆☆☆☆☆

موت سے ایک روز پہلے:

وہ لوٹ آئی تھی۔

اتنے سالوں بعد کون لوٹتا ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور جہاں وہ چلی گئی تھی وہاں سے؟ وہاں سے تو کوئی آج تک نہ لوٹ سکا۔ وہ کیسے لوٹ آئی ؟لوگ نہیں لوٹتے۔ مگر ان کی آہیں اور صدائیں اسی فضا میں معلق ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ صدیوں تک وہیں گونجتی رہتی ہیں اور مردہ ضمیروں کو آبِ حیات پلا کر حیاتی کی موت مارتیں ہیں۔ جس سے ضمیر تو امر ہو جاتا ہے مگر آدمی مر جاتا ہے۔

وہ آنکھیں موندھے راکنگ چیر پر بیٹھا اسے جھولا رہا تھا۔ جب اس نے وہ آواز سنی۔ سناٹے کو چیرتی گھنگروں کی آواز۔ وہ فوراً آنکھیں کھولے ارد گرد دیکھنے لگا۔ یہ آواز گزشتہ کئی یوم و لیل سے وقتاً فوقتاً اسے سنائی دے رہی تھی۔ وہ اکثر بیٹھے بیٹھے ڈرنے لگا تھا۔ اس کا دل خوف سے دھک دھک کرنے لگا۔ مگر ارد گرد کسی کو نا پا کر وہ دوبارہ آنکھیں بند کیے راکنگ چیئر کو جھولانے لگا۔

اچانک اس نے اپنے کندھے پر تھپکی محسوس کی۔ وہ فوراً آنکھیں کھولے سامنے کھڑے وجود کو دیکھنے لگا۔ اس کا خوف سچ ہو گیا تھا۔ وہ وہی تھی۔ جس پر ظلم ہوا تھا۔

"تم۔۔ تم نہیں ہو۔ میں جانتا ہوں تم نہیں ہو۔" وہ فوراً راکنگ چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بہت تیز تیز سانسیں لیتے دو قدم پیچھے کو ہوا۔ جبکہ وہ سفید انارکلی فراک پہنے اور سنہری جواہرات

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے سنگار کی ہوئی لڑکی اسے دیکھتے ایک ادا سے مسکرائی پھر الٹے قدم چلتے چلتے اس سے دور ہو گئی۔چلنے کے باعث اس کے قدموں میں لپٹی زنجیروں اور گھنگروں نے سُر پیدا کیا۔

پسینہ راحیل کے کان کی اوپری سطح سے کان کی لو تک اور ماتھے سے اس کی ناک تک گرنے لگا ۔راحیل کی نظر اس کے گھنگروں میں لپٹے پاؤں پر پڑی۔جس سے خون کی ایک ندی روا تھی۔وہ چلتی ہوئی اپنے خون سے پتھریلے فرش کو آلودہ کر رہی تھی۔

"تم۔۔۔تم میرا وہم ہو۔تم نہیں لوٹ سکتی۔تم چلی جاؤ۔"اس کے چہرے کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔

"میں تمہارا انجام ہوں اے ابن ادم۔تجھے اچھا لگتا ہے نا عورت کو اپنے اشاروں پر نچانا۔ہوں۔۔"یہ اس لڑکی کی آواز نہیں تھی جو وہاں موجود تھی۔بلکہ یہ تو کوئی اور کسی شناسا کی آواز تھی۔وہ ارد گرد اس شخص کو تلاش کرنے لگا۔جس کی وہ آواز تھی۔

"آج یہ عورت طوائف بن کے تیرے سامنے اندھا دھن ناچنا چاہتی ہے اور تم خوفزدہ ہو۔"دوبارہ اسی نسوانی آواز نے مخاطب کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم دفع ہو جاؤ اور اسے بھی ساتھ لے جاؤ۔ چلی جاؤ۔ وہ اپنا آپا کھو رہا تھا۔ وہ دن بدن پاگل ہو رہا تھا۔ جب کہ وہ انار کلی فراک میں لپٹی لڑکی تب سے خاموش کھڑی بس مسکرا رہی تھی۔

"جب پیار نہیں ہے تو بھلا کیوں نہیں دیتے

خط کس لیے رکھے ہیں جلا کیوں نہیں دیتے"

اس آواز پر وہ فراک والی لڑکی اب رقص شروع کر چکی تھی۔ وہ اپنے گرد گول گول گھومنے لگی۔ ساتھ ہی بڑے پیچیدہ انداز میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دے رہی تھی۔

"کس واسطے لکھا ہے ہتھیلی پہ میرا نام،

میں حرفِ غلط ہوں تو مٹا کیوں نہیں دیتے"

وہ دور کھڑا اسے سفید پڑھتے چہرے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ لڑکی اسے دھندلی نظر آنے لگی۔ اس کا سر درد کی شدت سے پھٹنے لگا۔ اس کے کانوں میں اس شناسا کی آواز سور پھونک رہی تھی۔

"بس۔۔۔ بس رک جاؤ مت کرو۔" وہ رقص کرتی ہوئی دھندلاہٹ کا شکار لڑکی کی جانب ہاتھ کھڑا کیے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بول رہا تھا۔ جبکہ گھنگروؤں کی جھنکار اور غزل گاتی آواز

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔اور اس کا رقص جنون پکڑ رہا تھا۔جنون کی آگ پر پیٹرول کا چھڑکاؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔وہ دھڑام سے زمین پر جا گرا ہر طرف سیاہی پھیل گئی اور وہ تاریکیوں میں گم ہو گیا۔

جب ہوش میں آیا تو خود کو اپنے بستر پر پایا۔اس کے گرد ایک ڈاکٹر اور ارحم موجود تھے۔وہ انہیں غیر شناسا نظروں سے دیکھتا رہا۔پھر دوبارہ اس کی آنکھوں میں دھند چھٹ گئی۔دوبارہ اسے گھنگروں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"مت کرو۔۔۔۔ان کی آواز۔۔۔۔تمہاری گھنگرو۔۔۔"وہ آنکھیں بند کیے سر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے،ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بھڑ بھڑا رہا تھا۔پھر وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔

اگلے دو روز بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔"ڈیڈ ارحم نظر نہیں آ رہا۔گھر پر نہیں ہے کیا؟"حدید نے نیپکن اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔حدید دو دن بعد اسلام آباد میں ایک میٹنگ سے لوٹا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔"راحیل نے نظریں زمین پر گاڑھے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں اسے لے کر آتا ہوں ڈیڈ۔" کہہ کر وہ کرسی سے اٹھنے لگا۔ راحیل نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔

"رہنے دو وہ نہیں آئے گا۔ وہ اپنے باپ سے نفرت کرنے لگا ہے مظلوم۔" رحیل کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ جبکہ حدید حیرت سے اسے دیکھے گیا۔

"آپ ایسا کیوں بول رہے ہیں ڈیڈ؟

"میں نفرت ہی کے قابل ہو۔ تم بھی مجھے جانو گے تو مجھ پر تھوک کر چلے جاؤ گے۔" راحیل بہت عجیب انداز میں اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ حدید فوراً اپنی کرسی سے اُٹھا اور راحیل کے پاس زمین پر گھٹنے ٹیکے بیٹھ گیا۔

"میں آپ سے۔۔ آپ سے بہت محبت کرتا ہوں ڈیڈ۔ آپ ایسا مت سوچیے۔" راحیل نے اس کی بات سنتے ہوئے یوں سر جھٹکا جیسے اسے اسکی بات پر یقین ہی نہ آیا ہو۔

"آپ رو رہے ہیں ڈیڈ۔ حدید کو اس کی آنکھوں میں چمکتا ہوا ایک آنسو دکھائی دیا۔

"ہاں رو رہا ہوں۔ تم۔۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟" راحیل آنسو گراتی انکھڑیاں اس پر جمائے بولا۔ جب کہ وہ چکا چوندا اسکے جواب کا منتظر رہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سانپ" راحیل نے اس کے قریب ہوتے ہوئے،اس کے کان میں سرگوشی کی۔"وہ سانپ جو اپنے بچوں کو کھا جاتا ہے۔میں نے بھی تم دونوں کو کھا لیا ہے۔" وہ آنسو گراتا بڑے ضبط سے بولا۔"ایسے مت کہیں ڈیڈ۔آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔آپ۔۔آپ کو ابھی ریسٹ کرنا چاہیے۔آیئے میں آپ کو آپ کے بستر تک چھوڑ دیتا ہوں۔"حدید کہ ماتھے پر پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔اس نے زمین سے اُٹھ کر راحیل کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"اتنے ظلم کرنے کے بعد کوئی۔۔۔کوئی کیسے ریسٹ کر سکتا ہے۔" وہ خجالت سے حدید سے کہتے وہی کرسی پر بیٹھا رہا۔

"ایک۔۔۔ایک کام کرو گے میرا۔" راحیل اجلت سے کھڑا ہوا۔اور حدید کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے گویا ہوا۔"جی ڈیڈ،آپ حکم کریں۔میں آپ کا ہر کام کروں گا۔" حدید کو اس کی حالت دیکھ کے دل میں کانٹے چبنے لگے۔

"تم۔۔۔تم کبھی مجھ سے کبھی نفرت مت کرنا۔پلیز بیٹا۔کبھی نہیں۔اسے۔۔۔اسے میری آخری خواہش سمجھو۔" وہ روتے ہوتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔حدید نے بھاگ کر انہیں

گلے لگایا۔"ایسی باتیں مت کریں ڈیڈ۔اب آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"حدید ناراضگی سے بولا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے چھوڑ جاؤ گے۔اور بے حد نفرت کرنے لگو گے۔"راحیل کے آنسو حدید کی شرٹ پر جذب ہونے لگے۔

"نہیں ڈیڈ۔میں آپ کو کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔کبھی بھی نہیں۔"اس نے راحیل کے کندھے پر اپنا سر جمائے کہا۔

"میں نے سب سے زیادہ تم سے اور ارحم سے محبت کی ہے۔تم دونوں میرا واحد اثاثہ ہو۔اور میرا اثاثہ مجھ سے چھن جائے گا۔میرے گناہوں کی وجہ سے۔میرے مظالم کے باعث۔" راحیل نے اس کی کمر پر اپنی گفٹ مضبوط کی۔

"ایسے مت کہیے ڈیڈ۔"حدید کو اپنے گلے میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے۔پھر راحیل نے اسے خود سے علیحدہ کیا۔"تم۔۔تم مجھے کہیں لے جاؤ مجھے ان سے ملنا ہے۔""ڈیڈ آپ اس وقت ٹھیک نہیں ہیں۔میں آپ کو کہیں بھی نہیں لے کر جا سکتا۔"حدید نے انگلی کے پوروں سے اپنی انکھوں کے کنارے صاف کیے۔

"میں ابھی ان سے نہ ملا تو بہت دیر ہو جائے گی۔ حدید پلیز مجھے لے چلو۔" راحیل نے اس کا بازو تھام لیا۔ "آپ کو کس سے ملنا ہے ڈیڈ۔" وہ تعجب سے گویا ہوا۔ جبکہ راحیل نے شرم سار ہوتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"سمیرا سے۔ مگر اس سے ملاقات سے قبل میں تمہیں اپنا عکس دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد تم۔۔ تم جو کرو گے۔ جیسی سزا دو گے مجھے منظور ہو گی۔" کہتے ہوئے راحیل نے کھڑے کھڑے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

پھر راحیل نے الف تا ے تک ساری ظلم کی داستان اس کی سماعت کی نظر کی۔ یہ داستان سننے کے بعد حدید چند لمحے سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی چشم کے سمندر میں آنسوؤں کی لہر نے کروٹ لی۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کیا بولے۔

"آپ۔۔۔ آپ۔۔ آپ میری ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں ڈیڈ۔" اس کی دھاڑ نے پورے گھر کو ہلا ڈالا۔

"بیٹا تم۔۔۔" راحیل نے آگے بڑھ کے اسے ہاتھ لگانا چاہا تو وہ بجلی کی رفتار سے پیچھے کو ہوا۔ "ہاتھ مت لگائیں مجھے ڈیڈ۔" اس نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے سینے پر ہاتھ پھیرنے

لگا۔اسے گھبراہٹ محسوس ہونے لگی۔شدید تنگی۔وہ آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گیا۔راحیل اسے تھامنے دوبارہ اس کی جانب بڑھا تو اس نے دوسری دفعہ ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"ماں۔۔میری ماں۔۔۔"وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کیا بولنا چاہتا ہے۔وہ دائیں بائیں سر ہلا رہا تھا۔"کیوں کیا آپ نے یہ سب۔جواب دیجیے کیونکہ کیا؟"وہ دوبارہ چلایا تو راحیل لب کاٹے اسے دیکھتا رہ گیا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے بے حال تھا۔

"ایک عورت کی کردار کشی۔۔۔اسے کمرے سے کوٹھے تک پہنچا دیا۔اس کے سر سے چادر چھین لی۔اتنا بڑا ظلم۔اتنی سرکشی۔آپ کو رحم نہیں آیا میری ماں پر ہاں۔"وہ روتے ہوئے غصے سے آگ بگولا ہوا۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گا۔

"اور کہتے ہیں حدید بیٹا۔۔۔مجھ سے نفرت مت کرنا۔وہ عورت بھی سالوں سے میری نفرت کا سامنا کر رہی ہے۔جو بے گناہ اور بے عیب ہے۔میں۔۔۔میں ان کا سامنا کیسے کر پاؤں گا؟نہیں۔۔۔کبھی نہیں۔میں ان کے پاس نہیں جا سکتا۔"وہ سر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے بولتا ہوا ابنارمل لگ رہا تھا۔

"اور آپ سے نفرت نہ کروں ہاں۔آپ سے۔جس نے۔۔۔جس بے ضمیر شخص نے ایک ہنستا بستا گھر اُجاڑ دیا۔اپنی بیوی کو درجنوں۔۔۔درجنوں خبیثوں کے سامنے محفل میں بٹھا دیا۔"اس کے لب کانپ رہے تھے۔

"نہیں میں۔۔۔مجھے۔۔۔مجھے اب کیا کرنا چاہیے ڈیڈ؟مجھے۔۔مجھے مر جانا چاہیے۔"وہ دیوانہ وار کہتے ہوئے اُٹھا اور راحیل کی جانب بڑھ گیا۔اس نے راحیل کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا۔

"میرا۔۔میرا گلا دبا دیں ڈیڈ۔مجھے اپنے ہاتھوں سے ماریں ڈیڈ۔"اس کا گلہ اب رندھ چکا تھا۔"دور ہٹو۔پاگل ہو گئے تم۔"راحیل نے روتے ہوئے اسے دور کیا۔

"ہاں۔۔ہاں پاگل ہو گیا ہوں میں۔آپ نے ڈیڈ۔۔آپ نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔"وہ دونوں ہاتھ فضا میں کھڑے کیے بولا۔پھر تیز تیز قدم اُٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا۔

"حدید رُک جاؤ۔مت جاؤ بیٹا۔"راحیل پیچھے آوازیں دیتا رہ گیا۔پھر کرسی کا سہارا لیے کھڑے کھڑے اپنے بلند بالا مکان کو دیکھنے لگا۔جسے وہ گھر سمجھتا رہا وہ آج مکان بن چکا تھا۔

اچانک اسے اپنے سینے میں شدید درد اٹھتا محسوس ہوا۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بدقت کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر دل کا درد بڑھتا چلا گیا۔

وہ کرسی سے زمین پر گر گیا۔ درد کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آنکھوں پر دھند چُھٹ گئی۔ پھر اسے وہ دھندلی لڑکی نظر آنے لگی۔ جس کی پائل کی جھنکار نے اس کے ضمیر پر پانی کے چھپاکے مارے۔ وہ چلتے ہوئے اس کے قریب سے قریب تر بڑھ رہی تھی۔ اچانک اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہر منظر تاریکیوں میں ڈوب گیا اور ایک گہرا سکوت چھا گیا۔

☆☆☆☆☆

"غم نہ کر بیٹا اس غلیظ شخص نے تمہیں تصویر کا غلط رخ دکھایا تھا۔ ورنہ کون اپنی ماں سے نفرت کرتا ہے۔" سمیرہ اپنی گود میں سر رکھے ہوئے اپنے پچیس سالہ بیٹے حدید کے بالوں میں آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ اپنی نادانی پر مسلسل رو رہا تھا۔ اور ماں سے معافی مانگ رہا تھا۔

"پر مجھے آپ کے خطوط کا جواب دینا چاہیے تھا اور۔۔۔ اور آپ سے ملنا چاہیے تھا۔" حدید کے آنسو میں کمی نہ آ سکی۔ جو جس کا تھا وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔

"میرا بچہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ہم دونوں کی ملاقات بھی طے شدہ تھی۔ سب پہلے سے تحریر شدہ ہے۔ ہم۔۔۔ ہم کچھ نہیں بدل سکتے۔ کوئی کچھ نہیں بدل سکتا۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں، کمرے موجود کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ باہر لان میں اسے سورج غروب ہوتا نظر آرہا تھا۔ غموں کا سورج واقعی غروب ہو چکا تھا۔ اتنے میں ہمایوں کمرے میں داخل ہوا۔ وہ حدید کو دیکھے مسکرایا اور آکر دونوں کے قریب آبیٹھا۔ اب وہ اُٹھ کر اپنے باپ کے گلے لگ گیا۔ ہمایوں بھی پیار سے اُسکا ماتھا چومنے لگا۔ اچانک حدید کے فون کی گھنٹی بجھی۔ اس نے بازو سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ پھر کال اُٹھائی۔ وہ دوسری جانب سے پتہ چلنے والی بات پر چونکا۔

"تم وہی رُکو میں ابھی آرہا ہوں۔" اس کے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ چہرہ بھی زرد پڑ گیا۔

کیا ہوا بیٹا سب خیریت تو ہے؟" ہمایوں نے فکر مندی سے پوچھا۔ حدید چند لمحے افسوس سے لب کاٹتے ہمائیوں اور سمیرہ کو دیکھتا رہا۔

"ڈیڈ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" پھر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ تو ان دونوں کے چہرے پر بھی فکر مندی نظر آئی۔ "مجھے ابھی چلنا ہو گا۔" وہ فوراً بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"رکو حدید۔" ہمایوں نے اسے پکارا تو وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ "میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" ہمایوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو حدید چند لمحے حیرت سے اپنے باپ کے ظرف کو دیکھے گیا۔ حدید نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سمیرا کی جانب دیکھنے لگا۔ جو کہ رُخ موڑ چکی تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں واپس آیا اور زمین پر گھٹنے ٹیکے بیٹھ گیا۔

"ماں میں مانتا ہوں کہ وہ اچھے انسان نہیں ہیں۔ گنہگار ہے۔ آپ دونوں کے مجرم ہیں۔ مگر وہ ایک اچھے ڈیڈ ہیں۔" وہ نظریں جھکائے اپنی ماں کا ہاتھ تھامے زمین پر بیٹھا تھا۔

"انہوں نے کبھی بھی آپ کے حدید اور اپنے ارحم میں فرق نہیں کیا۔ انہوں نے آپ کے بیٹے کو بڑی چاہ سے پالا پوسا، بڑا کیا، تعلیم دلوائی اور ہر ضرورت پوری کی"۔ اب اس نے نظریں اٹھائے اپنی ماں کو دیکھا۔

"ماں کوئی بھی انسان ہر کردار میں برا نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی ہر کردار اچھے سے نبھا سکتا ہے۔" سمیرہ کی آنکھوں سے آنسو گرتے چلے جا رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بس یوں سمجھیں کہ انسان کا خمیر خیر و شر سے گندھا ہوتا ہے۔ کسی میں خیر زیادہ تو کسی میں شر۔" وہ کہتے ہوئے چند لمحے خاموش ہو گیا۔ پھر وہ سمیرہ کو دیکھنے لگا۔

"وہ آپ دونوں سے معافی مانگنا چاہتے تھے ماں۔ وہ یہاں آنے کی ضد بھی کر رہے تھے۔ مگر میں ناراض ہو کر اکیلا ہی چلا آیا۔ سمیرہ شکاتی نظروں سے اپنے بیٹے کو گھورنے لگی۔

"ضمیر سے سب سے بڑی مار مارتا ہے ماں۔ اور وہ ضمیر کے ہاتھوں بری طرح پِٹ رہے ہیں۔ اور اپنی آخری سانس تک ایسے ہی تکلیف میں رہیے گیے۔ میں آپ کے سامنے ہاتھ جھوڑتا ہوں کہ اس شخص کو معاف کر دیں، جس نے آپ کے بچے کو شفقت دی، محبت دی، جس شخص سے آپ کا یہ بیٹا، اس کے جرائم کے باوجود نفرت نہیں کر پا رہا۔" وہ ہاتھ جوڑتے آنسو گراتے ہوئے بدقت کہہ رہا تھا۔

چند لمحے بعد وہ تینوں ہسپتال میں موجود تھے ہمایوں اور سمیرا ویٹنگ ایریا میں بیٹھی تھی۔

"ماں۔۔" حدید چلتا ہوا ان دونوں کے پاس آیا۔ سمیرا جانتی تھی کہ وہ اب کیا کہنے والا ہے۔

"میں ملنے کو تیار ہوں۔" وہ حدید کے بولنے سے قبل ہی بے تاثر چہرہ لیے اپنے ہاتھوں کو گھورتی ہوئی بولی۔ تو وہ ٹکٹکی باندھے حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آیئے۔" پھر وہ کہتے ہوئے اپنی ماں کے سنگ چل دیا۔

"بہت بڑے بڑے گناہوں کا بوجھ ہے مجھ پر۔" وہ راحیل کے بستر کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ راحیل سمیرا کی جانب رحم طلب نظروں سے دیکھتے گویا ہوا۔ "میں بہت۔۔ بہت۔۔" اسے خود کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ "میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں تباہ کر دیا، زمانے میں رسوا کیا۔ تمہیں۔۔ تمہیں شریف النفس سے کوٹھے والی بنا دیا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو لڑھک رہے تھے۔

"او خدایا! تو مجھے کیسے معاف کرے گا۔ اور۔۔۔ اور تیرے بندے۔ وہ مجھے کیسے اور کیوں کر معاف کریں گے۔ آخر میں نے ہر ستم ڈھایا ہے تیرے بندوں پر خدایا۔" وہ کہتے ہوئے باآواز بلند رونے لگا۔ ایک مشہور و معروف بزنس مین کو آج عزت و ذلت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ یا پھر اس حالت میں کسی کو اس دنیا سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔

"سمیرا تُو۔۔۔ تو بہت اعلیٰ ظرف خاتون ہے۔ تو۔۔۔ تو میری طرح ذلیل اور بد چلن نہیں ہے۔ تو رحمان کی بندی ہے۔ تو مجھے معاف کر دے۔ تو پلیز مجھے معاف کر دے۔ میں نے تیرے ہنستے بستے آنگن کو خاک کیا۔ تو میرے مظالم بخش دے۔" وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں کو

جوڑتے بدقت بول رہا تھا۔ جبکہ سمیرا اس کے بدن کے ساتھ منسلک مشینوں پر نظر جمائے کھڑی تھی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا راحیل اپنے بچے کے سر صدقے، اس کی خوشیوں کے واسطے۔ مگر تجھے وہ کبھی نہیں بخشے گی"۔ وہ آنسو گراتی خود کو مضبوط کرتے ہوئے بولی اور مایوس کن نظروں سے راحیل کو دیکھنے لگی۔ جو بسترِ مرگ پر لیٹا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اب اس کی ضعیف آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"ک۔۔۔ کون نہیں بخشے گی۔" اب وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ چند لمحے وہ بھی چپ چاپ سے اسے دیکھے گئی۔

"وہی جس کے گھنگروں کی جھنکار تمہیں چین نہیں آنے دیتی۔ وہ جسے تم گھنگرو سمجھتے ہو ناں، وہ تو بیڑیاں ہیں۔ تمہارے ستم کی بیڑیاں۔ جنہوں نے اس معصوم کو تباہ کر دیا۔" راحیل سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھے گیا۔

"تم یہی سوچ رہے ہو کہ میں یہ سب کیسے جانتی ہوں۔ وہ آتی ہے۔ وہ اکثر آتی ہے۔ میری خوابوں میں۔ آج بھی لہولعان ہوئے قدموں سے چل کر آتی ہے۔ پھر وہ خون سے لت پت

ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام لیتی ہے۔اور تم۔۔۔تم جانتے ہو۔اس کی آنکھیں کیا کہتی ہیں۔"
سمیرا پر تاسف انداز میں اسے دیکھیے گویا ہوئی۔جو سانس روکے اسے سن رہا تھا۔

"اس کی آنکھیں کہتی ہیں کہ اسے خود کی موت پر افسوس نہیں ہے راحیل چوھدری۔اسے کوئی پرواہ نہیں اس اذیت کی جو تم نے اس سے پہنچائی۔وہ۔۔وہ ہر درد معاف کر سکتی تھی۔ہر ستم فراموش کر سکتی تھی۔مگر ایک جبر اسے آج بھی تڑپاتا ہے جانتے ہو کیا؟"وہ رک کر اس کے چہرے کا کُرب دیکھنے لگی۔جس کی آنکھیں ندامت سے بہ بہ کر تھک چکی تھیں۔

"یہی کہ تم نے نسرین پر تب ظلم ڈھایا جب وہ پیٹ سے تھی۔ہاں راحیل چودھری۔تم نے نفرت کی آڑ میں اپنی بیوی کے ساتھ ساتھ اپنے ہونے والے بچے کا بھی قتل کر دیا ہے۔"
سمیرا اس کے قریب آ کر اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اور تمہیں کیا ابھی چاہیے تھا؟معافی؟تو ٹھیک ہے۔تمہیں معافی مبارک ہو،اپنی بیوی اور اولاد کے قاتل۔"سمیرا نے زہر اُگلتی آنکھوں سے اسے دیکھتے کہا۔

"او۔۔اولاد۔۔"اس کے لبوں میں زلزلہ بھرپا ہونے لگا۔آنکھوں کا کٹورا آنسوؤں سے بھر گیا۔اس کے لبوں میں لرزش واضح دکھ رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ اس روز تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی راحیل چودری۔ کبھی بھی نہیں۔ کیونکہ وہ روز حساب و کتاب کا ہو گا اور انسان وہاں معاف نہیں کریں گے۔" پھر وہ نفرت سے تیز تیز قدم اُٹھاتی باہر نکل گئی۔

"اولاد۔۔" وہ اب بھی بھڑ بھڑا رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا۔ مگر اس کی آواز نہ نکل سکی۔ اس کے گلے میں کانٹے چبنے لگے۔

وہ ہسپتال کے کمرے کی چھت کو گھورتا اپنے اللہ سے رحم طلب کرنے لگا۔ زمین پر خدا بن کر گھومنے والے جب خدا کا رحم طلب کرنے لگے تو یہ بہت عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ وہ بڑی قوت سے رو رہا تھا۔ مگر اس کی آواز دم توڑ رہی تھی۔ پھر اسے دوبارہ گھنگروں کی آواز آنے لگی۔

اس بار اس آواز کے ساتھ اسے ایک اور آواز تھی۔ کسی بچے کے رونے کی آواز۔ اتنے میں وہ سفید انار کلی فراک پہنے وہ بھی نظر آنے لگی۔ پُر مسرت انداز میں اپنی گھود میں اُٹھائے بچے کو جھولا رہی تھی۔ وہ اب بچے سمیت اس کے قریب آ رہی تھی۔ آج اس کے چہرے پر پہلی دفعہ فتح کی چمک دِکھ رہی تھی۔

"میرا۔۔میرا بچہ۔۔۔"ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہتے ہوئے راحیل نے بچے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔نسرین فوراً بچے کو تھامے الٹے قدم چلنے لگی۔پھر یونہی سسکتے ہوئے اس کی سانسوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔دل نے دھڑکنا بند کر دیا اور وہ زندگی سے آزاد ہو گیا۔ہمیں اس فقرے پر نظرثانی کرنی چاہیے کہ "سکون صرف قبر میں ہے۔

"کیا واقعی ہمیں وہاں سکون نصیب ہو گا؟ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ ہمیں سکون مل سکے؟

اس رات ہمایوں،راحیل کے قتل کے سلسلے میں گھر نکلنے ہی والا تھا۔سمیرا نے اسے دیکھ لیا ۔"اسوقت کہاجارہے ہو ہمایوں؟"سمیرا نے خوف سے پوچھا۔تو وہ چند لمحے نظریں جھکائے کھڑا رہا۔پھر سارے منصوبے سے سمیرا کو آگاہ کیا۔

"جب صبر پر انعام کا وقت آیا ہے تو تم اب ناشکری کی راہ پر نکل جاؤ گے۔صدقے جاؤں تمہاری عقل کے۔"وہ رنجیدہ ہوئی۔

اس نے تمہیں درجنوں لوگوں کے سامنے ننگے سر بٹھایا ہے۔اس نے میری عزت کوٹھے پر بیچ دی۔"غصے سے اس کے نین سُرخ ہوئے۔

"اب وہ خبیث عزت، ذلت کا فیصلہ کرے گا ہاں۔ وہ اپنے کیے پر خدا کی مار کھائے گا۔ تمہیں اس کے خون سے اپنے اعمال نہیں ضائع کرنے۔ ہمارا صبر رائیگاں نہیں جائے گا ہمایوں۔ اور تم ان وسوسوں سے نکلو اور کتابُ اللہ کو تھام لو۔ جو علم و حکمت سے منور کرتی ہے۔" ہمایوں کے وجود پر خوف طاری ہونے لگا۔ اس کے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔

"ہمایوں ھدایت و روشنی والی کتاب کی تلاوت کرو۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے جوش سے اسے بول رہی تھی۔ جبکہ وہ بس روئے جا رہا تھا۔ اسے اس کے رحمان نے بڑے گناہ سے روک لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

راحیل کی موت کے بعد:

"میں پریشان اس لیے نہیں ہوں کہ وہ شخص جا چکا ہے۔ بلکہ اس لیے ہوں کہ اس شخص جتنے گناہ بھی کم ہی کوئی لے کر گیا ہو گا۔" ارحم زمین پر پڑی ایک عورت کی تصویر کو دیکھتے گیا ہوا۔ اس کے بے ترتیب بال، شب بیداری کے باعث آنکھوں کی سرخی اور بوسیدہ لباس اس کے حال کی خبر دے رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مطلب؟" حدید حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ "مطلب صاف ہے حدید صاحب۔ تم عقل کے کچے ہو۔ جواب تک اپنی عظیم ماں کو بد کردار سمجھتے رہے ہو۔" وہ رک کر کھڑکی سے باہر چمکتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

"تم جانتے ہو میری۔۔۔ میری اصلی ماں کے بارے میں؟" حدید کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"آج ہی پتہ چلا کہ وہ عورت تمہاری ماں ہے۔ ورنہ میں تو پچھلے پانچ سال سے جانتا ہوں، کہ ہمارا "پاکباز باپ" اس عورت کو کوٹھے پر بیچ آیا تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ وہ شخص اپنی بیوی کو کوٹھے پر بیچ سکتا ہے۔" وہ اب دوبارہ فوٹو فریم میں لگی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ تم مجھ سے اس طرح سے کیوں بات کر رہے ہو؟" حدید اس فوٹو فریم سے نظر ہٹاتے اسے دیکھنے لگا۔ "تم بہت سادہ ہو حدید بالکل اپنے باپ ہمایوں پر گئے ہو۔ وہ شخص بھی بہت بھلا مانس سا لگتا ہے اور ہے بھی۔" وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولا۔

"پر تمہیں زہر میں اور شہد میں فرق کرنا آنا چاہیے۔" اب شکایتی نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ "تم مجھے پریشان کر رہے ہو ارحم۔ پلیز سچ بتاؤ۔ ہوا کیا ہے؟ اب وہ ارحم کا چہرہ اپنی جانب کیے پوچھنے لگا۔ جب کہ وہ حدید کا ہاتھ جھٹک کر اُٹھ گیا۔ پھر الماری کے پاس جا کھڑا

ہوا۔اسنے الماری کا لاک کھول کر اندر سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکالا،اسے آن کیا اور حدید کے سامنے رکھ دیا۔

"اس عورت کے آخری الفاظ ہیں، جس نے ہم میں سگھے اور سوتیلے کا فرق نہیں سکھایا۔ جس نے ہمیں محبت کا درس دیا ہے۔انہیں غور سے سننا۔" ارحم اپنی ماں نسرین کی تصویر کی جانب اشارہ کرتے کہنے لگا۔

"جب کھانے کا ایک ہی نوالہ پاس ہو تو ماں خود نہیں کھاتی بچے کو کھلا دیتی ہے۔جاڑے کی سردی ہو یا تپتی لو ماں کو صرف اولاد ہی یاد رہتی ہے۔" ریکارڈر سے نمودار ہونے والی نسوانی آواز میں درد اور غم کی شدت کے اثرات واضح تھے۔"پر میں ایک بدنصیب عورت اور سیاہ مقدر والی ماں ہوں۔جسے اپنے بیٹوں کے لیے ایثار کی توفیق ہی نہیں ملی۔" چند لمحے سناٹا چھا گیا۔اور حدید اس ٹیپ ریکارڈر پر کان متوجہ کیے تھا۔جبکہ ارحم آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے کھڑا تھا۔

"عورت چاہے طوائف ہو یا شریف زادی اس کا مقدر مختلف نہیں ہوتا۔اسے کہیں نہ کہیں بھیڑیے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھیڑیا اس کا نصیب ہوتا ہے۔ جیسے میرا بھی ہے۔راحیل

چودھری۔"راحیل چودھری کا نام سن کر حدید نے حیرت سے ارحم کو دیکھا۔جو اپنی آنکھیں چھپانے کی خاطر منہ موڑ گیا۔

"تمہارے اس باپ نے مجھے معذور کر کے اس اندھیر گھپ کمرے میں قید کر دیا ہے۔اور میرے بازو ٹوٹ چکے ہیں۔ٹانگیں زنجیروں میں قید ہیں۔اور۔۔۔۔اور یہاں بہت چوہے بھی ہیں"۔نسرین بولتے ہوئے دھیما دھیما رونے لگی۔جبکہ ارحم ٹیپ ریکارڈر کو دیکھتے ہوئے لب کاٹنے لگا۔اس کا چہرہ آنسو سے مکمل بھیگ چکا تھا۔

"میرا جرم یہ ہے کہ میں ایک ویشیا کی اولاد ہوں۔وہ ویشیا جو میری ولادت سے قبل ہی اپنے رب سے توبہ کر چکی تھی۔جس نے گمنامی کی زندگی اختیار کر کے ایک نیک کام شروع کیا۔ریشم کے دھاگے سے قرآن کاڑھنے کا کام اور اس عورت نے مجھے بچپن میں ہی حافظِ قرآن بنا دیا۔اور وہ شخص۔راحیل۔اور نہ جانے اس جیسے کتنے لوگ جو دوسروں کے ظاہری اعمال پر انہیں گھٹیا، نیچ اور نہ جانے کون کون سے الفاظ سے ان لوگوں کو یاد کرتے ہیں"۔حدید کو اپنے سینے میں ابال اُٹھتا محسوس ہوا اور آنکھوں میں کرچیاں چبھتی محسوس ہوئیں۔

"شادی کے بعد میری ماں کے ماضی سے راحیل واقف نہیں تھا۔وقت نے یوں ستم کیا کہ وہ یہ بات جان گیا۔اب وہ راز چھپانے کی سزا میں مجھ پر تشدد کر رہا ہے۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔اسکی سسکیوں کی آواز آنے لگی۔

"لیکن وہ۔۔۔۔وہ کہتا ہے کہ تشدد جلد ختم کر دوں گا اور۔۔۔اور مجھے قتل کر کے میری مری ماں کے آنگن میں دفن کر دے گا۔" وہ کہتے ہوئے رونے لگی پھر ٹیپ ریکارڈر بند ہو گیا۔حدید اُٹھ کر ارحم کے گلے لگ گیا اور ارحم بلند آواز میں بچوں کی طرح رونے لگا۔

"اس جانور نے سچ میں میری ماں کو نانی کے آنگن میں دفن کر دیا تھا۔اسے نفرت تھی میری ماں سے تو چھوڑ دیتا۔طلاق دے دیتا۔قتل کر کے اسے کیا ملا؟" ارحم روتے ہوئے پھٹ پڑا۔ حدید نے اس کے گرد اپنی بازو کی گرفت مضبوط کی۔

"بھول جاؤ وہ سب۔ویسے وہ شخص اب مر چکا ہے۔اللہ خود اسے سزا دے گا۔" حدید اسکی کمر پر ہلکی ہلکی تھپکی لگا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

دو ماہ بعد:

"ہمیں دوبارہ شادی کر لینی چاہیے۔" ہمایوں سپاٹ چہرہ لیے بولا۔

"شادی؟" اور طوائف سے؟" وہ خود کا مذاق اُڑاتے ہوئے دھیما سا ہنس دی۔

"عزت دار مرد کبھی طوائف سے شادی نہیں کرتا۔" سمیرا نے بڑے عجیب انداز میں کہا اور صوفے سے اُٹھتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ وہ چند گھڑیاں تاسف سے لب کاٹتا رہ گیا۔ پھر صوفے سے اُٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔

"نہ میں خود کو عزت دار مرد سمجھتا ہوں۔ نہ تمہیں کوئی طوائف۔ میں سادہ لو آدمی ہوں اور تم پاک باز عورت۔ جس کے لیے میں نے گزشتہ پچیس برس ہجر کاٹا ہے۔ ان سالوں میں، میں نے صرف تمہیں سوچا۔ تمہیں چاہا۔ اور تمہیں ہمیشہ اپنے ساتھ خیال کیا۔ اور اب میں تم سے دوبارہ تعلق بنانا چاہتا ہوں۔" وہ کچن میں لکڑی کے کیبن کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"میں سینکڑوں مردوں کی محفل میں غزلیں گاتی رہی ہوں۔ سینکڑوں مرد مجھے بنا چادر کے دیکھ چکے ہیں۔ اب میں تمہاری تو کیا کسی کی بھی عزت بننے کے لائق نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں سے شبنمی قطرے گرنے لگے۔ وہ کیبن کھولے اس میں سے کوکنگ کا سامان نکالنے لگی۔

"کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میرے لیے یہ سب باتیں بے معنی اور بے وقت ہیں۔ یہ ماہ و سال ہم پر آزمائش تھے۔ آزمائش اب گزر چکی ہے۔ اس نے ہمیں صبر کی توفیق دی۔ اب وہ اجر دے رہا ہے تو ہمیں انکار نہیں کرنا۔" وہ اپنے جوتوں سے زمین پر ہلکی ہلکی ٹھوکر لگاتے ہوئے گویا ہوا۔ جب کہ وہ بت بنی اب چولہا جلا رہی تھی۔

"اگر تم اب بھی شادی سے انکار کرو گی۔ تو مجھے بہت اذیت ہو گی۔" وہ چولہا جلانے لگی تھی اس کی بات پر رُک گئی۔ مگر پلٹ کر نہ دیکھا۔ "اور پھر یہ غلاف ہجر کبھی ختم نہیں ہو گا۔" وہ مزید بولا۔ جب کہ وہ اب چولہا جلائے اس پر دودھ سے بھری دیگچی رکھ چکی تھی۔ "میں آگ کی طرح چلتا رہوں گا اور تم راکھ کی طرح بجھ جاؤ گی۔"

"ہجر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ ایک درد ہے جو دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اپنے اسیر پر ظلم ڈھاتا ہے اور پھر ایک دن۔۔ ایک دن اس کا اسیر اس غلاف کی گھٹن سے مر جاتا۔۔۔" وہ ابھی بول رہی تھی کہ ہمایوں نے اس کے لبوں پر ہاتھ جما لیا

۔"ہم اس تنگی اور جدائی کے خلاف سے آزاد ہوں گے۔ ہم ایسے جدا نہیں رہیں گے۔"اس نے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔"پھر بھی میں تم سے دوبارہ شادی نہیں کر سکتی۔"اس نے نظر چراتے کہا اور دودھ میں چائے کی پتی شامل کرنے لگی۔

"تو مت شادی کرو۔ مگر مجھے تو تم سے دوبارہ شادی کرنے دو۔"اب وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا تو وہ چولہے پر اُبلتی چائے کو چھوڑ کر اسے سپاٹ نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا دی۔

"آج سے سب وہی ہو گا جو میری سمیرا چاہے گی۔"اس نے ستائیس برس قبل بولا ہوا جملہ مسکراتے ہوئے دہرایا۔

"چل جھوٹا کہیں کا۔"وہ بھی ہنستے روتے بولی۔

☆☆☆☆☆

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842